پاکستان میں

نظامِ خلافت

کیا، کیوں اور کیسے؟

داعی تحریکِ خلافت پاکستان

ڈاکٹر اسرار احمد

کی چار مختصر مگر اہم تحریریں اور ایک تقریر

شائع کردہ: تحریکِ خلافت پاکستان (رجسٹرڈ)

3/17 وسن پورہ لاہور، فون: 7311668, 7601080

فیکس: 7358970

پاکستان میں

نظامِ خلافت

کیا، کیوں اور کیسے؟

داعی تحریک خلافت پاکستان

ڈاکٹر اسرار احمد

کی چار مختصر مگر اہم تحریریں اور ایک مفصل تقریر

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: 03-5869501

نام کتاب ——— نظام خلافت — کیا' کیوں اور کیسے؟

طبع اوّل (جنوری 2001ء) ——— 1100

طبع دوم (ستمبر 2003ء) ——— 1100

طبع سوم (دسمبر 2005ء) ——— 1100

ناشر ——— ناظم نشرواشاعت' مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مقامِ اشاعت ——— 36۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

فون:03-5869501

مطبع ——— شرکت پرنٹنگ پریس' لاہور

قیمت ——— 45روپے

ترتیب

صفحہ

❶ پاکستان میں نظامِ خلافت۔ کیا' کیوں اور کیسے ؟ 7
* پاکستان کی اساس اور مصورِ پاکستان کے نزدیک پاکستان کا مقصد
* ہماری کوتاہی اور کوتاہ نظری
* انگریز کی وراثت
* پاکستان کے استحکام اور دفاع کا تقاضا
* نظامِ خلافت کے خدوخال
* عملی منہاج
* ایک وضاحت ایک مشورہ!
* عالمی خلافت یقینی! لیکن آغاز کہاں سے ؟

❷ عہد حاضر میں اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت کا دستوری خاکہ 15
* احکام شریعت میں اجمال و تفصیل
* اسلامی ریاست کی دو امتیازی خصوصیات
  - اللہ کی حاکمیت مطلقہ
  - اسلامی قومیت
* عہد حاضر میں اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت کے نو دستوری نکات
  - اجتماعی خلافت
  - ریاست کے اعضائے ثلاثہ
  - قانون سازی یا اجتہاد
  - سیاسی جماعتیں
  - آزادی اور پابندی کا حسین امتزاج
  - فقہی اختلافات کا حل
  - صدارتی وفاقی نظام
  - خواتین کی شرکت
  - غیر مسلموں کی حیثیت
* لمحۂ فکریہ

❸ اسلامی ریاست میں سیاسی جماعتوں کا کردار 31
* خلافت راشدہ کے خصائص

- پہلی خصوصیت : دورِ نبوت کا ضمیمہ
- دوسری خصوصیت : صحابہ رضی اللہ عنہم کی درجہ بندی
- سنت خلفاءِ راشدین کا اتباع لازم
- قبائلی معاشرہ اور تمدنی ارتقاء

* تاریخ کا حقیقت پسندانہ مطالعہ
* اخلاقی اور قانونی تعلیمات میں فرق
* ہمارا اصل مسئلہ : اخلاق کا زوال
* حاصل کلام

● پاکستان کی قومی سیاست میں مذہبی جماعتوں کا کردار 41

● پاکستان میں نظامِ خلافت۔امکانات' خدوخال اور قیام کا طریق کار 49

* اللہ کے تین مشروط وعدے
* قیامت سے قبل خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کی پیشین گوئی
* احیائے خلافت کی جدوجہد کا نبوی' طریق
* موجودہ عالمی قوت اور اسلام کا مستقبل
* نظام خلافت اور اس کے خدوخال
  - اللہ کی حاکمیت اور قرآن و سنت کی بالادستی
  - خلیفہ کا براہ راست انتخاب
  - مخلوط قومیت کی نفی اور غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ
  - نظام صلوٰۃ کا قیام
  - زکوٰۃ کی کامل تنفیذ
  - سود کا کامل انسداد
  - جاگیرداری نظام کا خاتمہ
  - شراب اور جوئے پر پابندی
  - مکمل سماجی اور قانونی مساوات
  - مخلوط معاشرت کا سدباب
* روح عصر کا تقاضا
* موجودہ دور میں احیائے خلافت کا طریق کار
* احیائے خلافت اور پاکستان کا مستقبل
* نظام خلافت کے بارے میں اہم سوالات کے جوابات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

بیسویں صدی کے اوائل میں جو عظیم "تحریک خلافت" برعظیم پاک و ہند میں چلی تھی اس کی اصل حقیقت ان سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے خلاف احتجاجی ردعمل کی تھی جو عالمی سیاست کی سطح پر خلافت عثمانی کے خاتمے کے لئے کی جارہی تھیں ـــــ تاہم جب ۱۹۲۴ء میں خود اتاترک مصطفیٰ کمال پاشا نے خلافت کو منسوخ کردیا تو یہ تحریک بھی فطری طور پر دم توڑ گئی ـــــ

اس کے لگ بھگ ستر سال بعد ۱۹۹۱ء میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے تحریک خلافت پاکستان کا آغاز کیا جس کا مقصد پاکستان میں "نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کا قیام تھا۔

اس ضمن میں سب سے پہلے ستمبر ۱۹۹۱ء میں کراچی پریس کلب میں منعقدہ پریس کانفرنس میں ایک تحریری بیان پیش کیا گیا جو بعد ازاں لاکھوں کی تعداد میں پاکستان کے طول و عرض میں شائع کیا گیا۔ ساتھ ہی قومی اخبارات کے کالموں میں ڈاکٹر صاحب کی نظامِ خلافت کے متعلق بعض نکات کی وضاحت پر مشتمل تحریریں شائع ہوئیں ـــــ پھر ایک مفصل خطاب موچی دروازہ لاہور کے باہر میدان میں منعقدہ جلسہ عام میں ہوا جس میں عہد حاضر میں نظامِ خلافت کے خدوخال کی وضاحت کی گئی۔

پیش نظر کتابچے میں ڈاکٹر صاحب کی متذکرہ بالا چار مختصر تحریریں ـــــ اور وہ مفصل خطاب شائع کئے جارہے ہیں۔ (واضح رہے کہ یہ "تحریک خلافت پاکستان" کے بالکل آغاز کے دور کی چیزیں ہیں۔ بعد ازاں ۹۵۔۱۹۹۴ء میں ڈاکٹر صاحب نے کراچی، ملتان، کوئٹہ، پشاور اور لاہور میں تین یا چار روزہ "خطبات خلافت" ارشاد فرمائے تھے وہ بھی اولاً ۹۶ء میں اور بار دوم ۹۷ء میں کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں!)

عبدالرزاق

ناظم اعلیٰ تحریک خلافت پاکستان

۱

پاکستان میں نظامِ خلافت

کیا، کیوں اور کیسے؟

داعی تحریک خلافت پاکستان

ڈاکٹر اسرار احمد

کاوہ تحریری بیان جو موصوف نے ستمبر ۱۹۹۱ء میں کراچی پریس کلب میں منعقدہ پریس کانفرنس میں پیش کیا ـــــ جسے تحریک خلافت پاکستان کے نقطۂ آغاز کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کو پڑھتے ہوئے یہ امر ملحوظ رہے کہ یہ تحریر اب سے دس سال قبل کی ہے اور اب اسے ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت حاصل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پاکستان کی اساس اور مصور پاکستان کے نزدیک قیام پاکستان کا مقصد

ہندوستان کی تقسیم دو قومی نظریئے کی بنیاد پر عمل میں آئی تھی اور پاکستان مسلم قومیت کی اساس اور اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا۔ چنانچہ مفکر و مصور پاکستان علامہ اقبال نے بھی اپنے خطبہ الٰہ آباد میں برعظیم ہندوپاک کے شمال مغربی علاقے پر مشتمل ایک علیحدہ مملکت کے قیام کی تجویز مسلمانوں کے جداگانہ قومی تشخص کی بنیاد پر اور ہندو مسلم تنازعے کے مؤثر حل کے طور پر اور اس مقصد کے تحت پیش کی تھی کہ مسلمانانِ ہند کو ایک موقع میسر آ جائے کہ وہ اسلام کے نظام عدل اجتماعی (Social Justice) پر جو پردے دور ملوکیت میں پڑ گئے تھے انہیں ہٹا کر سیاسی' معاشی اور معاشرتی عدل و انصاف کے اس نظام کو دوبارہ قائم کر سکیں جو نبی اکرم ﷺ کی "رحمتُ للعالمینی" کا اصل مظہر ہے تاکہ پوری نوع انسانی کے لئے ہدایت اور سلامتی کا ایک روشن مینار وجود میں آ سکے ـــــ اور اسی طرح بانی و معمار پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے بھی فرمایا تھا کہ ہمیں پاکستان اس لئے مطلوب ہے کہ عہد حاضر میں اسلام کے اصولِ حریت واخوت و مساوات کا ایک عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔

ہماری کوتاہی اور کوتاہ نظری

لیکن افسوس! اس کے باوجود کہ قیام پاکستان پر قمری حساب سے ساڑھے پینتالیس سال گزر چکے ہیں اور شمسی حساب سے بھی پاکستان اپنی عمر کے پینتالیسویں سال میں قدم رکھ چکا ہے' تاحال اس اصل منزل کی جانب کوئی پیش قدمی نہیں ہو سکی۔ اور ہم پوری وفاداری کے ساتھ اس سیاسی' اقتصادی اور سماجی ڈھانچے کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں جو ہمیں انگریز سے وراثت میں ملا تھا ـــــ اور ستم بالائے ستم یہ کہ پاکستان میں بعض نیم مذہبی اور نیم سیاسی جماعتوں نے قانونِ شریعت کے نفاذ کے

مطالبے کو تو اپنی سیاست کی اساس بنایا لیکن اس سیاسی اور معاشی نظام کو ختم کرنے پر مناسب زور نہیں دیا جو جبر و ظلم اور استحصال و استبداد کی اصل بنیاد ہے اور جسے ختم کیے بغیر بہترین قانون کی برکات بھی ظاہر نہیں ہو سکتیں!

انگریز کی وراثت

ہمیں جو سیاسی اور اقتصادی نظام ـــــ اور سماجی اور معاشرتی اقدار انگریز سے وراثت میں ملی تھیں' اور جنہیں ہم نے "STATUS QUO" کے انداز میں نہ صرف عملاً بلکہ ذہناً بھی برقرار رکھا ہوا ہے' اس کے اہم خدوخال یہ ہیں :

① مخلوط قومیت یعنی نیشنلزم کا وہ تصور جس نے مغرب کے سیکولرازم کی کوکھ سے جنم لیا ہے اور جس کی کلی نفی کی بنیاد پر پاکستان کی تحریک چلائی گئی تھی۔

② پارلیمانی جمہوریت جس کی ابتدائی تربیت بھی انگریز نے ہمیں دے دی تھی۔

③ صوبوں کے نام اور حدود جو انگریز نے اپنی انتظامی مصلحتوں کے تحت معین کی تھیں اور جنہیں ہم نے مستقل اور دائمی ہی نہیں' مقدس سمجھے بیٹھے ہیں!

④ بینکنگ کا وہ نظام جس کی بنا پر ہماری پوری صنعت و تجارت بلکہ پوری معیشت میں سود کی نجاست سرایت کیے ہوئے ہے اور جس کے نتیجے میں گویا پوری قوم اور پورا ملک اللہ اور رسولؐ سے برسرپیکار ہے۔

⑤ جوئے' سٹے اور لاٹری کی وہ لعنتیں جنہیں قرآن مجید نے ﴿ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ﴾ (شیطان کے ناپاک کام) قرار دیا ہے۔

⑥ جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری (Absentee land-lordism) کا وہ نظام جو ظلم اور استحصال کی سب سے بڑی اور مکروہ ترین صورت ہے اور جس میں دوبار کی نام نہاد اصلاحات کے باوجود کوئی بنیادی فرق واقع نہیں ہو سکا۔

⑦ وہ مخلوط معاشرت جس کے نتیجے میں مغرب میں شرم و حیا اور عفت و عصمت کا دیوالہ نکلا' گھر کا سکون ختم ہوا اور خاندان کا نظام درہم برہم ہو گیا اور یہ آخری شے تو وہ ہے جو انگریز کے دور حکومت میں بھی ہمارے معاشرے میں اس درجہ

راسخ نہیں ہو سکی تھی جتنی آج ہے اور روز بروز دن دونی اور رات چوگنی ترقی کر رہی ہے۔

پاکستان کے استحکام اور دفاع کا تقاضا

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس پورے نظام کو بدلنے کے لئے ایک عوامی تحریک برپا کی جائے' اور اس نظامِ عدلِ اجتماعی کو قائم کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی جائے جس کا مجموعی عنوان "نظامِ خلافت" ہے اور جس کے بارے میں مفکر و مصورِ پاکستان نے فرمایا تھا ع "تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار۔ لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر!" ــــــ اس لئے بھی کہ یہی قیامِ پاکستان کا اصل مقصد تھا' اور اس لئے بھی کہ یہی پاکستان کے بقاء اور استحکام کا ضامن بن سکتا ہے ــــــ چنانچہ اسی مقصد سے انحراف کے باعث لسانی اور علاقائی عصبیتوں نے سر اٹھایا اور مسلمان قوم قومیتوں میں تقسیم ہوئی اور اس طرح ہم نے اللہ سے جو بدعہدی اور بے وفائی کی اس پر اس کے عذاب کا ایک کوڑا ۱۹۷۱ء میں ہماری پیٹھ پر برسا اور اب بھی اگر ہم نے حصولِ پاکستان کے اصل مقصد کی جانب پیش قدمی نہ کی تو اللہ کی سزا کا دوسرا اور شدید تر کوڑا کسی بھی وقت برس سکتا ہے ــــــ لہٰذا پاکستان کے دفاع کے لئے ایک طرف جہاں یہ ضروری ہے کہ ہم افواجِ پاکستان کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں اور ہر قسم کے سامانِ حرب و ضرب اور ہر طرح کا اسلحہ امکانی حد تک فراہم کریں اور اس ضمن میں اپنے ایٹمی پروگرام سے بھی کسی صورت میں دست کش نہ ہوں' مزید برآں دوست ممالک بالخصوص چین کے ساتھ باضابطہ دفاعی معاہدہ کریں اور بھارت کے ساتھ بھی حتی الامکان مصالحت اور مفاہمت کی کوششیں جاری رکھیں ــــــ دوسری طرف وہاں پاکستان کا اصل اور حقیقی دفاع اس میں مضمر ہے کہ یہاں اسلام کے "نظامِ خلافت" کو بہ تمام و کمال رائج و قائم کر کے ﴿اِنَّ اللّٰہَ یُدَافِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا...﴾ (الحج : ۳۸) "اللہ خود دفاع کرے گا اہلِ ایمان کی جانب سے" کے مصداق اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدافعت کے مستحق بنیں!

اس نظامِ خلافت کے لئے ظاہر ہے کہ صرف عنوان یا لیبل بدلنے کی نہیں، مکمل انقلاب کی ضرورت ہے جو صرف جانی اور مالی قربانی ہی کے ذریعے رونما ہو سکتا ہے اور جس کے لئے زبردست عوامی تحریک اور انقلابی جدوجہد کی ضرورت ہے —— تاہم جب یہ انقلاب آجائے گا اور نظامِ خلافت قائم ہو جائے گا تو اس کے نمایاں خدوخال حسبِ ذیل ہوں گے :

نظامِ خلافت کے خدوخال

① اللہ تعالیٰ کی حاکمیت مطلقہ کا جو اقرار "قراردادِ مقاصد" میں موجود ہے اس کے عملی نفاذ کے لئے قرآن اور سنت رسولؐ کی غیر مشروط اور بلا استثناء بالادستی جو نظام اور قانون دونوں پر حاوی ہو۔ اور اس کے ضمن میں یہ غیر مشروط اور غیر مبہم صراحت کہ جہاں قانونِ اسلامی کی تدوین نو اور اجتہاد کا عمل پارلیمنٹ یا مجلس ملی کے ذریعے ہو گا وہاں ملک کی اعلیٰ عدالتوں کو اختیار ہو گا کہ جس قانون کو کلی یا جزوی طور پر قرآن اور سنت کی حدود سے متجاوز سمجھیں اسے کالعدم قرار دے سکیں۔

② مخلوط قومیت کی نفی —— جس کے نتیجے میں خلیفہ کے انتخاب اور قانون سازی کے عمل میں صرف مسلمان شریک ہوں گے اور اس کے لئے ووٹ کا حق تو اگرچہ ہر بالغ مسلمان مرد اور عورت کو حاصل ہو گا لیکن انتخاب میں حصہ صرف ایسے مسلمان مرد لے سکیں گے جن کا کردار مشتبہ نہ ہو —— جبکہ غیر مسلموں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی پوری ذمہ داری قبول کی جائے گی اور انہیں عقیدہ و عبادت کے ساتھ ساتھ پرسنل لاء میں مکمل آزادی کی ضمانت دی جائے گی۔

③ خلیفہ کا انتخاب بلاواسطہ پورے ملک کے مسلمان کریں گے اور اسے پارلیمنٹ یا مجلس ملی یا مجلس شوریٰ کی اکثریت کا محتاج نہیں بنایا جائے گا بلکہ موجودہ دنیا کے

معروف صدارتی نظام کے مانند ایک متعین مدت کے لئے وسیع انتظامی اختیارات دیئے جائیں گے۔

④ صوبائی عصبیت کی لعنت کے خاتمے اور عوام کی انتظامی سہولت کے لئے صوبے چھوٹے چھوٹے بنائے جائیں گے اور انہیں زیادہ سے زیادہ حقوق و اختیارات دیئے جائیں گے۔ اس مقصد کے لئے موجودہ کمشنریوں کو بھی صوبوں کا درجہ دیا جا سکتا ہے اور یہ بھی طے کیا جا سکتا ہے کہ دوسرے جغرافیائی' لسانی اور ثقافتی عوامل کو پیش نظر رکھتے ہوئے صوبے اس طرح تشکیل دیئے جائیں کہ کسی بھی صوبے کی آبادی ایک کروڑ سے زائد نہ ہو!

⑤ سود اور جوئے کے کامل انسداد کے ذریعے معیشت کی تطہیر —— اور اس کی بجائے شراکت اور مضاربت کے اصولوں پر نئے تجارتی اور صنعتی ڈھانچے کی تشکیل۔

⑥ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اجتہاد کی بنیاد پر ایک بالکل نیا بندوبست اراضی کہ جو علاقے مسلمانوں نے کسی بھی وقت بزور شمشیر فتح کئے ان کی اراضی "عشری" یعنی انفرادی ملکیت نہیں' بلکہ "خراجی" یعنی اجتماعی ملکیت ہیں جن کے کاشتکار خواہ مسلمان ہوں خواہ غیر مسلم اسلامی حکومت کو براہِ راست خراج ادا کریں گے جس سے جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کا بھی مکمل خاتمہ ہو جائے گا اور اتنا ریونیو حاصل ہو گا کہ بہت سے ٹیکسوں سے نجات حاصل ہو جائے گی۔

⑦ نظامِ زکوٰۃ کی کامل تنفیذ —— یعنی کُل اموالِ تجارت کی مجموعی مالیت کے اڑھائی فیصد کی وصولی جس سے کفالت عامہ (Social Security) کا پورا نظام —— اور ہر شہری کے لئے روٹی' کپڑا اور مکان جیسی بنیادی ضروریات اور تعلیم اور علاج کی یکساں سہولتوں کی فراہمی کی ضمانت دی جا سکے گی۔

⑧ مکمل قانونی مساوات —— جس میں خلیفۃ المسلمین اور مجلس ملی یا مجلس شوریٰ کے ارکان سمیت کسی کو بھی قانونی تحفظات حاصل ہوں گے نہ ترجیحی حقوق

(Priviliges)' اگرچہ مفاسد کے سدباب کے لئے غلط اور جھوٹے الزامات لگانے والوں کے لئے حد قذف پر قیاس کرتے ہوئے سخت تعزیری قوانین بنائے جا سکیں گے۔

(۹) شراب اور دوسری نشہ آور چیزوں کے مکمل استیصال کے لئے سخت تعزیراتی قوانین کا نفاذ!

(۱۰) مخلوط معاشرت کا سدباب ـــــ چنانچہ اصولی طور پر مردوں اور عورتوں کے جداگانہ دائرہ ہائے کار کی تعیین ـــــ اور عملی اعتبار سے تعلیم و تربیت اور علاج معالجے کے لئے کلیتاً جداگانہ ادارے' اور ضرورت پڑنے پر گھریلو صنعتوں کی ترویج حتیٰ کہ ایسے صنعتی اداروں کا قیام جس میں خواتین ہی کام کریں اور خواتین ہی نگرانی کریں اور ان کے اوقات کار بھی مردوں کے مقابلے میں کم ہوں ـــــ مزید برآں عفت و عصمت کی حفاظت اور قلب و نظر کی پاکیزگی کے لئے ستر اور حجاب کے شرعی احکام کی سختی سے تنفیذ!

عملی منہاج

ظاہر ہے کہ یہ ہمہ گیر اور بنیادی تبدیلیاں نہ سیاسی اور انتخابی عمل کے ذریعے ممکن ہیں' اس لئے کہ سیاسی اور انتخابی عمل کے ذریعے کسی قائم شدہ نظام کو بہتر طور پر چلایا جا سکتا ہے تبدیل نہیں کیا جا سکتا' نہ ہی کسی تدریجی اور جزوی اصلاح کے ذریعے ممکن ہیں' اس لئے کہ اس طرح صرف سطحی تبدیلیاں لائی جا سکتی ہیں بنیادی نہیں' بلکہ اس کے لئے ایک مکمل انقلاب کی ضرورت ہے جس کے لئے ایک ایسی انقلابی جماعت ضروری ہے جس کے وابستگان پہلے اپنی ذات اور اپنے دائرہ اختیار خصوصاً اپنے گھر میں احکامِ شریعت کو نافذ کریں اور پھر ایک بنیانِ مرصوص کی صورت اختیار کر کے منظم انداز میں تن من دھن قربان کرنے کے لئے تیار ہوں (چنانچہ اس نظام کو قائم کرنے کی ایک حقیری سی کوشش کے طور پر ہم نے تنظیم اسلامی قائم کی ہے) لیکن اس سے بھی پہلے یہ ضروری ہے کہ عوامی سطح اور وسیع پیمانے پر

نظامِ خلافت کی خصوصیات کا فہم و شعور عام کیا جائے چنانچہ اسی کے لئے "تحریک خلافت پاکستان" کا آغاز کیا جا رہا ہے اور اس کی ابتدائی کوشش کے ضمن میں آپ حضرات کا تعاون درکار ہے جس کے سلسلے میں امید ہے کہ آپ مایوس نہیں کریں گے۔

ایک وضاحت اور ایک مشورہ

آخر میں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ جب تک یہ انقلاب برپا نہ ہو، ہم موجودہ سیاسی و انتخابی عمل کے جاری رہنے کے شدت کے ساتھ قائل ہیں اور کسی بھی صورت میں دوسری واحد ممکن العمل شکل یعنی مارشل لاء کی تائید نہیں کرتے جو ہمارے نزدیک پاکستان کے حق میں سم قاتل سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ البتہ جو حضرات تہہ دل سے اسلامی انقلاب یا نظامِ خلافت کے قیام کے متمنی ہیں انہیں ہمارا مشورہ یہ ہے کہ اس سیاسی و انتخابی عمل سے بالکل کنارہ کش ہو کر اپنی جملہ توانائیاں اس منظم قوت کے فراہم کرنے کے لئے وقف کر دیں جو نظام باطل کو چیلنج کر سکے اور دینی اصطلاح میں "نہی عن المنکر بالید" یعنی "طاقت کے ساتھ منکرات کے استیصال" کے لئے منظم لیکن پر امن مظاہروں کے لئے میدان میں آ سکے!

عالمی خلافت یقینی! لیکن آغاز کہاں سے؟

قرآن اور حدیث رسول ﷺ کی رو سے ہمیں یقین کامل ہے کہ متذکرہ بالا "نظامِ خلافت" پوری دنیا میں قائم ہو کر رہے گا ـــــ البتہ یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا نقطۂ آغاز بننے کی سعادت کس خطۂ ارضی کے حصے میں آئے گی ـــــ اگرچہ گزشتہ چار سو سال کی تاریخ کے حوالے سے امید واثق ہے کہ اس کا نقطۂ آغاز سلطنت خداداد پاکستان ہی بنے گی۔ بہرحال ہمارے ایمان کا تقاضا ہے کہ اس کے لئے تن من دھن کے ساتھ سعی کریں۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العٰلمین

۲

عہد حاضر میں

اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت

کا دستوری خاکہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احکام شریعت میں اجمال و تفصیل

شریعت اسلامی کے احکام کا خاصا بڑا حصہ تو عبادات سے متعلق ہے جو اگرچہ اسلام میں تو خالص انفرادی معاملہ نہیں ہے بلکہ ان میں بھی اجتماعیت کا رنگ غالب ہے' تاہم قانونی اور دستوری سطح پر ان کو لازماً احوال شخصی ہی میں شمار کیا جائے گا۔ پھر اسلام کے اوامر و نواہی کا معتدبہ حصہ بنیادی انسانی اخلاقیات سے متعلق ہے جو نوع انسانی اور مذاہب عالم کا مشترکہ ورثہ ہیں۔ اس کے بعد نمبر آتا ہے ان احکام شریعت کا جن کا تعلق انسان کی اجتماعی زندگی سے ہے۔ پھر چونکہ انسانی معاشرے کی اکائی خاندان کا ادارہ ہے اور اجتماعیات انسانیہ کا نقطۂ آغاز رشتہ ازدواج ہے' مزید برآں چونکہ حیات انسانی کا یہ گوشہ ابتداء ہی سے کامل ہے اور اس سے متعلق مسائل و معاملات میں تمدنی ارتقاء کے عمل کے ذریعے کسی تبدیلی کا امکان نہیں تھا' لہٰذا قرآن حکیم نے عائلی قوانین نہایت تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ بیان کر دیئے۔ اسی طرح چونکہ مرد اور عورت کی نفسیات میں بھی کسی بنیادی تغیر و تبدل کا امکان نہیں تھا' لہٰذا معاشرتی نظام کے ضمن میں بھی معروف و منکر کے تصورات اور ان سے متعلق اوامر و نواہی قرآن مجید میں خاصی وضاحت اور صراحت کے ساتھ عطا کر دیئے گئے لیکن انسان کی حیات اجتماعی کے سیاسی و ریاستی اور معاشی و اقتصادی شعبوں کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان کے ضمن میں تمدنی ارتقاء کا عمل نزولِ قرآن کے وقت بھی جاری تھا اور تاحال بھی جاری ہے' لہٰذا عقل و منطق کے عین مطابق ان کے سلسلے میں قرآن حکیم نے اساسی اصول اور اہداف تو معین کر دیئے' لیکن تفصیلی احکام زیادہ نہیں دیئے۔ پھر ان میں سے بھی معاشی اور اقتصادی معاملات سے متعلق تو بعض معین احکام بھی قرآن میں مل جاتے ہیں' جیسے ربا' قمار اور رشوت کی حرمت' خرید و فروخت کے ضمن میں باہمی رضامندی کی شرط' اور

احکام میراث وغیرہ، لیکن سیاست و ریاست کے سلسلے میں تو واقعہ یہ ہے کہ شریعت اسلامی نے صرف اصول عطا کئے ہیں، معین شکل کوئی بھی لازم نہیں کی! (اصل میں یہی بات تھی جو کسی زمانے میں مرحوم اے۔ کے بروہی نے کہی تھی لیکن بعد میں عوامی دباؤ یا ذاتی مصالح کے باعث اس سے رجوع کر لیا تھا۔)

اسلامی ریاست کی دو امتیازی خصوصیات

عہد حاضر کی مثالی اسلامی ریاست کا خاکہ کیا ہو گا؟ یا بالفاظ دیگر دورِ جدید میں اسلام کا نظام خلافت ریاست و سیاست کے میدان میں کیا عملی صورت اختیار کرے گا؟ اس سوال کے جواب میں نظری اور فلسفیانہ بحثوں سے قطع نظر راقم جو بات آج تک کے مطالعے اور غور و فکر کے نتیجے میں پورے انشراحِ صدر کے ساتھ عرض کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ وقت کے اعلیٰ ترین معیارات کے مطابق بلند ترین جمہوری روایات کی حامل ریاست ہو گی جو وطنی قومیت کی اساس پر قائم ہونے والی سیکولر جمہوری ریاست سے صرف دو بنیادی امور میں مختلف ہو گی یعنی :

(۱) اللہ کی حاکمیت مطلقہ

پہلی اور اہم ترین اساسی وجہ امتیاز یہ کہ اس میں حاکمیت مطلقہ کا حق صرف اللہ تعالیٰ کے لئے تسلیم کیا جائے گا (بقول علامہ اقبال ؎ "سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے، حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آزری!") جس کا عملی مظہر قرآن و سنت کی نظام اور قانون دونوں پر بلا استثناء اور غیر مشروط بالادستی ہو گی، جو ریاست کے دستور اساسی میں غیر مبہم انداز میں ریاست کے اصل الاصول کی حیثیت سے ثبت ہو گی۔ گویا اس ریاست کا بنیادی اصول انسانی حاکمیت نہیں، بلکہ خلافت انسانی کا تصور ہو گا!

(۲) اسلامی قومیت

دوسری اساسی وجہ امتیاز، جو متذکرہ بالا اصل الاصول ہی کا منطقی نتیجہ ہے، یہ

ہے کہ اس کی مکمل شہریت وطنی قومیت پر مبنی ریاست کے برعکس اس کی جغرافیائی حدود کے اندر رہائش پذیر ہر شخص کو نہیں بلکہ صرف ان لوگوں کو حاصل ہو گی جو اللہ اور اس کے رسول محمدؐ پر ایمان کا اعلان و اقرار کریں۔ غیر مسلموں کی حیثیت اس میں اس "محفوظ اقلیت" کی ہو گی جن کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا کامل ذمہ بھی لیا جائے گا (اسی لئے انہیں "ذمی" کہا جاتا ہے) اور جنہیں عقیدہ و عبادات اور عائلی قوانین سمیت پورے پرسنل لاء کے ضمن میں مکمل آزادی کی ضمانت بھی دی جائے گی۔ مزید برآں ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت بھی بالکل اسی طرح کی جائے گی جیسے مساجد کی' لیکن چونکہ نظامِ خلافت یا اسلامی ریاست میں قانون سازی کا عمل اپنی اساسی نوعیت کے اعتبار سے کتاب و سنت کی حدود کے اندر اندر "اجتہاد" سے عبارت ہو گا اور خلافت کے "علیٰ منہاج النبوۃ" ہونے کے باعث اس کا اصل مقصد نبوت کے مشن کی توسیع و تکمیل ہو گا' لہٰذا غیر مسلموں کو نہ قانون سازی کے عمل میں شریک کیا جا سکے گا نہ اعلیٰ سطح کی پالیسی اور حکمت عملی کی ترتیب و تشکیل میں۔

ان سے اعراض کا مطلب

متذکرہ بالا دونوں اصول جو باہم لازم و ملزوم بھی ہیں' اسلامی ریاست یا نظام خلافت کے دو لازمی و لابدی خصائص ہیں جو اس سے کسی بھی صورت یا حالت میں جدا نہیں کئے جا سکتے' اور جو مسلمان ان کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی اختیار نہیں کر سکتا اسے صاف کہہ دینا چاہئے کہ وہ اسلام کو صرف عقیدہ اور اخلاقی سطح پر قبول کرتا ہے' نظام ریاست و حکومت اور سیاست ملک و قوم کی سطح پر اسے یا غیر موزوں اور نامناسب سمجھتا ہے یا ناممکن اور ناقابل عمل۔ اس لئے کہ ان میں سے پہلا اصول توحید کا لازمی تقاضا ہے جو اسلام کی جڑ اور بنیاد ہے' لہٰذا اس کا انکار کفر ہے اور اس میں استثناء کے رخنے ڈالنا شرک ہے۔ چنانچہ سورۂ مائدہ کی آیات ۴۴'۴۵ اور ۴۷ میں صاف کہہ دیا گیا ہے کہ "جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے

نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں' وہی تو ظالم (مشرک) ہیں اور وہی تو فاسق (یعنی سرکش اور باغی) ہیں"۔ اور سورۂ روم کی آیت نمبر ۳۲ میں صراحت کر دی گئی ہے کہ نظامِ اطاعت کے حصے بخرے کر دینا کہ بعض حصوں میں مرکزِ اطاعت اللہ اور رسولؐ ہوں اور بعض میں کوئی اور حقیقت کے اعتبار سے شرک ہے۔ مزید برآں سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۸۵ میں شدید تنبیہہ و تہدید فرمادی گئی ہے کہ : "تو کیا تم ہماری کتاب (یعنی شریعت) کے کچھ حصے کو تسلیم کرتے ہو اور کچھ حصے کو نہیں مانتے؟ تو جان لو کہ تم میں سے جو کوئی بھی یہ روش اختیار کرے گا اس کی سزا دنیا میں بھی ذلت و رسوائی ہو گی اور قیامت کے دن تو انہیں شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے گا۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے!"

رہا دوسرا اصول' تو وہ پہلے اصول کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہونے کے اعتبار سے تمام مسلمانوں کے لئے واجب التسلیم ہونے کے علاوہ پاکستان کے لئے تو جڑ اور بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے' اس لئے کہ حصولِ پاکستان کی تحریک متحدہ وطنی قومیت کی نفی اور مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کی بنیاد پر چلائی گئی تھی۔ بنابریں اس کا انکار پاکستان کے جواز کی نفی' اور اس سے انحراف پاکستان کے انہدام کے مترادف ہے۔ (یہی وجہ ہے کہ بھارت کے صحافی اور دانشور پاکستان کی سرزمین پر کھڑے ہو کر پاکستان کی نفی کا یہ لطیف انداز اختیار کرتے ہیں کہ "ہم نے پاکستان کو تسلیم کیا ہے' دو قومی نظریئے کو نہیں!")

عہدِ حاضر میں
اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت کے نو (۹) دستوری نکات

بہرحال اسلامی ریاست یا نظام کے ان دو اصولوں کو برقرار رکھتے ہوئے ان کے ساتھ انسانی حقوق کے بلند ترین تصورات و معیارات اور ریاست و حکومت کے جدید ترین اداروں کو منتج کیا جا سکتا اور اس طرح انسان کے تمدنی ارتقاء کے جملہ ثمرات سے بھرپور استفادہ کیا جا سکتا ہے' مثلاً :

① اجتماعی خلافت

جب تک انسان کا سیاسی شعور گویا عہد طفولیت میں تھا اور انسان صرف بادشاہت یا شخصی حکومت ہی سے واقف تھا' خلافت اور امامت بھی شخصی ہی ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام سے کہا گیا : "ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنادیا ہے' پس لوگوں کے مابین حق و انصاف کے مطابق حکومت کرو!(سورۂ ص : ۲۶)اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا گیا : "میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں!"(سورۂ بقرہ : ۱۲۴) لیکن جب نوع انسانی کا سیاسی شعور بلوغ کو پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے خلافت اور امامت کو بھی عوامی اور اجتماعی اداروں کی شکل دے دی' چنانچہ ایک جانب امامت الناس کی ذمہ داری مجموعی اعتبار سے امت مسلمہ کے حوالے کردی گئی جسے امت وسط اور خیر امت کا خطاب دیا گیا اور دوسری طرف خلافت بھی عامتہ المسلمین کا حق قرار پائی جو اپنے میں سے کسی کو منتخب کرکے اسے خلافت کے منصب پر فائز کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی حیات دنیوی کے آخری موقع پر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے مطلع کیا کہ کچھ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ جیسے ہی حضرت عمرؓ کی آنکھ بند ہوئی ہم فوری طور پر فلاں شخص کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرلیں گے تو اس پر حضرت عمرؓ اتنے مضطرب ہوئے کہ فوری طور پر اجتماع عام منعقد کرکے عامتہ المسلمین کو ان لوگوں کے عزائم سے خبردار کرنے کا ارادہ فرمایا : "جو لوگوں کا حق غصب کرنا چاہتے ہیں۔" تاہم حضرت عبدالرحمٰن ؓ کے مشورے پر آپ ؓ نے یہ ارادہ مدینہ منورہ واپسی تک کے لئے ملتوی کردیا۔ چنانچہ مدینہ واپس پہنچنے پر آپ نے ایک عام اجتماع میں مفصل خطاب فرمایا' جس میں مسند احمد ابن حنبل ؒ کی روایت کی رو سے تو یہ الفاظ شامل تھے کہ "جس شخص نے کسی امیر کی بیعت مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کرلی اس کی کوئی بیعت نہیں" اور صحیح بخاری کی روایت کے مطابق الفاظ یہ ہیں : "جس کسی نے مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی امیر کی بیعت کی تو نہ اس کی بیعت کی جائے گی نہ اس کی جس کی اس نے بیعت کی!"

اسی طرح "مسلمانوں کے باہمی مشورے" کا نظام بھی دورِ خلافت راشدہ میں تو جیسے کہ گزشتہ صحبت میں عرض کیا جا چکا ہے' قبائلی اساس اور اس درجہ بندی کی بنیاد پر قائم تھا جو نبی اکرم ﷺ کے فرامین و فرمودات کی بناء پر اس وقت بالفعل موجود تھی' لیکن موجودہ زمانے میں اسے بالغ رائے دہی کے اصول کے مطابق ریاست کی جغرافیائی حدود میں رہنے والے تمام بالغ مسلمان مردوں اور عورتوں تک وسیع کرنے میں کوئی نص شرعی مانع نہیں ہے' بلکہ فقہاءِ اسلام کا بیان کردہ اصول کہ "تمام مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں" روحِ عصر کے عین مطابق ہے' اور جس طرح ایک مسلمان باپ کی وراثت میں اس کے محسن و متقی اور فاسق و فاجر بیٹے برابر کے شریک ہوتے ہیں' ایسے ہی خلیفہ اور شوریٰ یا مجلس ملی کے ارکان کے انتخاب کے ضمن میں رائے دہندگی کے حق کے معاملے میں بھی بالکل ایک دوسرے کے مساوی ہوں گے۔

البتہ قرآن حکیم کی اس ہدایت ابدی کے مطابق کہ "امانتوں کو ان کے اہل لوگوں کے حوالے کرو" (سورۂ نساء : ۵۸) انتخابات میں بحیثیت امیدوار سامنے آنے والوں کی سیرت و کردار کی چھان بین اور سکریننگ کا مؤثر بندوبست ضروری ہو گا' تاکہ ملک و ملت کی اہم ذمہ داریوں کی امانت صرف اہل لوگوں ہی کے حوالے کی جا سکے۔ اس سلسلے میں جہاں تک امیدواری کے حلال یا حرام ہونے کا تعلق ہے اس پر گزشتہ صحبت میں گفتگو ہو چکی ہے' رہا حق رائے دہندگی کے ضمن میں عمر کی تعیین اور علیٰ ہذا القیاس کسی اضافی شرط یا شرائط کا عائد کیا جانا تو یہ بھی مسلمانوں کے باہمی مشورے ہی سے طے ہونے والے امور ہوں گے!

اس پوری بحث میں نظری اعتبار سے تو ان تمام لوگوں کا موقف مختلف ہو گا جو نبی اکرم ﷺ پر نبوت کے خاتمے کے بعد بھی شخصی اور معصوم امامت کے قائل ہیں' لیکن چونکہ ان کی عظیم اکثریت یعنی اثناء عشری شیعہ کے عقیدے کے مطابق فی الوقت امام موجود نہیں ہیں بلکہ غیبت کبریٰ میں ہیں لہٰذا عملاً وہ بھی وہیں کھڑے ہیں

جہاں تمام اہل سنت' (بلکہ واقعہ یہ ہے کہ گزشتہ کئی صدیوں سے تو "اجتہاد" کو ایک زندہ اور متحرک ادارے کی حیثیت سے قائم ہی صرف اہل تشیع نے رکھا ہے!) اور یہی معاملہ شش امامیہ حضرات میں سے داؤدی بوہروں کا ہے گویا عملی طور پر استثناء صرف آغاخانیوں یا اسماعیلیوں کا ہے۔ ان کا امام معصوم چونکہ حاضر و موجود ہے لہٰذا ظاہر ہے کہ اگر روئے ارضی کے کسی علاقے میں کبھی اسماعیلی ریاست قائم ہوئی تو وہاں خلافت کے لئے انتخاب کا کوئی سوال نہیں ہو گا بلکہ امام حاضر خود یا اس کا کوئی نامزد نمائندہ حکومت کا اختیار سنبھالے گا۔ تاہم چونکہ پاکستان میں اسماعیلی ایک اقل قلیل اقلیت میں ہیں لہٰذا ان کا معاملہ اہمیت کا حامل نہیں ہے۔

(۴) ریاست کے اعضائے ثلاثہ

اسی طرح سب جانتے ہیں کہ عہد حاضر کی ریاست کے تین "اعضائے رئیسہ" یعنی مقننہ' عدلیہ' اور انتظامیہ دورِ خلافت راشدہ میں باہم گڈمڈ تھے اور علیحدہ علیحدہ مشخص و ممیز نہ تھے' لیکن ظاہر ہے کہ عہد حاضر کی اسلامی ریاست یا نظام خلافت کی راہ میں تمدنی ارتقاء کے ان عظیم ثمرات سے بھرپور طور پر مستفید ہونے میں کوئی امر مانع نہیں ہے' چنانچہ ایک جانب مقننہ ہو گی (جسے مجلس شوریٰ بھی کہا جا سکتا ہے اور مجلس ملی بھی) جس کے ارکان بھی سب مسلمان ہی ہوں گے اور ان کا انتخاب بھی صرف مسلمانوں کی رائے سے ہو گا اور اس کے ذریعے قانونی سازی یعنی شریعت اسلامی کی تدوین نو اور اجتہاد کا عمل جاری رہے گا۔ دوسری جانب عدلیہ ہو گی جو جہاں شہریوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرے گی اور شہریوں اور انتظامیہ کے مابین عدل قائم کرے گی اور دستور کی رو سے جو حقوق شہریوں کو حاصل ہوں گے ان کی حفاظت کرے گی وہاں دستور کی امین ہونے کے ناطے اس امر کا بھی فیصلہ کرے گی کہ آیا مقننہ کا کوئی اختیار کردہ اجتہاد شریعت کے دائرے سے تجاوز تو نہیں کر گیا اور تیسری جانب انتظامیہ ہو گی جو ملک و قوم کے معاملات کے انتظام و انصرام' قانون کی تنفیذ' امن و امان کے قیام اور دفاع ملکی کے اہتمام کی ذمہ دار ہو گی۔

③ قانون سازی یا اجتہاد

اجتہاد کے بارے میں علامہ اقبال کی یہ رائے تو صد فی صد درست ہے کہ اب اجتہاد پارلیمنٹ کے ذریعے ہو گا' لیکن ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اجتہاد کا حق صرف ارکان پارلیمنٹ کے لئے مختص ہو گا اور پارلیمنٹ سے باہر اصحابِ علم و فضل اور ارباب فہم و دانش کے لئے اجتہاد شجر ممنوعہ ہو گا' بلکہ اصل مراد یہ ہے کہ اس امر کا فیصلہ پارلیمنٹ کرے گی کہ کون سا اجتہاد قانون کا درجہ حاصل کر کے بالفعل نافذ ہو گا۔ تاہم چونکہ اس امر کا فیصلہ کہ آیا کوئی اجتہاد حدود شریعت کے اندر اندر ہے یا تجاوز کر گیا ہے' ایک علمی اور فنی معاملہ ہے لہٰذا عقل و منطق کی رو سے اس کا اختیار ایسی پارلیمنٹ کو نہیں دیا جا سکتا جس کے ارکان محض عمر کے لحاظ سے بالغ مردوں اور عورتوں کے حق رائے دہی کی بنیاد پر منتخب ہوئے ہوں' قطع نظر اس کے کہ وہ دین و شریعت کے علم سے بہرہ ور ہوں یا تہی دست ہوں۔ اور چونکہ دستور کی اس دفعہ کہ "یہاں کوئی قانون کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے منافی نہیں بنایا جا سکے گا" کی عملی تنفیذ کی نظری طور پر تین ہی صورتیں ممکن ہیں : ایک یہ کہ اس کا اختیار مطلق پارلیمنٹ ہی کو دے دیا جائے جیسا کہ آج کل جمہوریت کے بہت سے علمبردار کہہ رہے ہیں' لیکن اس صورت میں منطقی طور پر لازم آئے گا کہ پارلیمنٹ میں صرف وہ لوگ شامل ہوں جو شریعت اسلامی کا معتدبہ علم حاصل کر چکے ہوں۔ اس طرح گویا مقننہ کا عوامی قاعدہ (Base) بہت محدود ہو جائے گا جس سے روح عصر کے تقاضے مجروح ہوں گے' دوسری صورت یہ ہے کہ پارلیمنٹ سے بالاتر ایک ادارہ ہو جو علماء پر مشتمل ہو اور اسے اس فیصلہ کا اختیار ہو کہ آیا جو بل پارلیمنٹ میں زیر غور ہے یا منظور ہو کر قانون کا درجہ حاصل کر چکا ہے وہ شریعت کی حدود کے اندر اندر ہے یا نہیں۔ لیکن اس طرح ایک نوع کی تھیاکریسی وجود میں آ جائے گی اور یہ بھی روح عصر کے منافی ہے' اس کے بعد تیسری رُوحِ دین اور رُوحِ عصر دونوں سے ہم آہنگ واحد صورت یہی رہ جاتی ہے کہ اجتہاد کا اختیار تو پارلیمنٹ ہی کے ہاتھ میں

ہو لیکن اس میں خالص فنی اور علمی معاملے کو ملک کی اعلیٰ عدالتوں کے سپرد کر دیا جائے کہ آیا کوئی اجتہاد واقعی "اجتہاد" ہی ہے یعنی کتاب و سنت کی حدود کے اندر اندر ہے یا حاکمیت خداوندی کو چیلنج کر کے بغی و طغیان اور فسق و فجور کی صورت اختیار کر گیا ہے!

اس ضمن میں موجودالوقت دو عملی بھی صرف عارضی طور پر درمیانی عرصہ کے لئے گوارا کی جا سکتی ہے کہ ملک کی عام اعلیٰ عدالتیں جدا ہوں اور ایک شریعت کورٹ علیحدہ قائم کی جائے اور یہ صورت حال تو بہت ہی ناپسندیدہ ہے کہ ان عدالتوں کے ججوں کے نصب و عزل کے معیارات اور قواعد و ضوابط مختلف ہوں ـــــ مستقبل کی مثالی اسلامی ریاست یا نظام خلافت علیٰ منہاج النبوۃ میں تو ظاہر ہے کہ لاء کالج اصل میں کلیتہ الشریعہ ہی ہوں گے اور جملہ وکلاء وجج صاحبان ماہرین علم شریعت ہوں گے' لہٰذا ایک ہی عدالتی نظام ہو گا اور کسی ثنویت کی قطعاً کوئی ضرورت نہ ہو گی۔

④ سیاسی جماعتیں

عصر حاضر کی ترقی یافتہ اور روشن خیال ریاست کا اہم ادارہ سیاسی جماعتیں بھی ہیں اور انسان کی حریت فکر اور آزادیٔ اظہار رائے کی طرح جماعت سازی کو بھی شہریوں کا ایک مسلم حق سمجھا جاتا ہے۔ عہد حاضر کی اسلامی ریاست یا نظام خلافت میں بھی عوام کو یہ حق بعض پابندیوں اور بعض اضافی آزادیوں کے ساتھ حاصل ہو گا۔ پابندی یہ کہ کوئی سیاسی جماعت یا تنظیم اپنے منشور میں ایسی چیز شامل نہ کر سکے گی جو کتاب و سنت کی نصوص کے منافی ہو۔ اس لئے کہ سیاسی جماعتیں جس نظام کو چلانے کے لئے وجود میں آئیں گی وہ خود بھی انہی پابندیوں میں جکڑا ہوا ہو گا۔ اور اضافی آزادی یہ کہ ہر رکن پارلیمنٹ' خواہ کسی بھی جماعت کے ٹکٹ پر کامیاب ہوا ہو' روزمرہ کے معاملات میں اپنی رائے کے اظہار میں آزاد ہو گا کہ اپنے ضمیر اور صوابدید کے مطابق رائے دے' اِلاّ یہ کہ معاملہ اساسی نوعیت کا ہو اور اس کی

رائے بنیادی طور پر اس پارٹی کے منشور ہی کے خلاف جارہی ہو جس کے ٹکٹ پر وہ منتخب ہوا ہو۔ اس صورت میں عقل و منطق اور دیانت و شرافت' دونوں کا تقاضا ہو گا کہ وہ از خود اپنی نشست سے مستعفی ہو جائے یا بصورت دیگر محروم کر دیا جائے۔

⑤ آزادی اور پابندی کا حسین امتزاج

اس پوری بحث کا لب لباب ایک حدیث نبویؐ کے حوالے سے بآسانی چند الفاظ میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ حدیث مبارکہ کے الفاظ ہیں کہ "مومن کی مثال اس گھوڑے کی سی ہے جو ایک کھونٹے سے بندھا ہوا ہو" (مسند احمدؒ عن ابی سعید الخدریؓ) اس مثال کو ذرا وسعت دے کر فرض کریں کہ ایک وسیع و عریض میدان ہے جس میں گھوڑے کے بھاگنے دوڑنے کی کافی گنجائش ہے لیکن آپ نہیں چاہتے کہ وہ بالکل آزاد ہو کر فرار ہی ہو جائے' لہٰذا آپ اسے ایک سو گز لمبی رسی کے ذریعے کھونٹے سے باندھ دیتے ہیں۔ اس طرح سو گز نصف قطر کا ایک دائرہ ایسا وجود میں آجائے گا جس میں گھوڑا آزاد ہو گا۔ البتہ ایک سو ایک واں گز ہر سمت میں ممنوع یا ناممکن ہو گا۔ ایک اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت میں آزادی اور پابندی کا جو حسین امتزاج ہوتا ہے وہ اس مثال سے اس طرح واضح ہو جاتا ہے کہ دائرے کا محیط کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کی نمائندگی کرتا ہے جن سے تجاوز کی اجازت نہ افراد کو ہے نہ بحیثیت مجموعی معاشرے یا ریاست کو' البتہ اس دائرے کے اندر اندر افراد بھی آزاد ہیں اور ریاست اور معاشرہ بھی چنانچہ اس حصے میں عہد حاضر کے اعلیٰ ترین معیارات کے مطابق جمہوری اقدار کی ترویج و تنفیذ اور "ان کا معاملہ باہمی مشاورت سے طے ہوتا ہے" کے قرآنی اصول (سورۂ شوریٰ آیت نمبر ۳۸) کے تقاضوں کو عہد حاضر کے بہترین ترقی یافتہ اداروں کے ذریعے پورا کیا جا سکتا ہے۔

⑥ فقہی اختلافات کا حل

ایک بہت اہم معاملہ جو شریعت کے عملی نفاذ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ

کی حیثیت سے بالعموم پیش کیا جاتا ہے فقہی اور مسلکی اختلافات کا ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ کچھ تو اس مسئلے کی سنگینی واقعتاً اتنی نہیں جتنی بظاہر معلوم ہوتی ہے' اس لئے کہ اس کی اصل حدت و حرارت' یا جمود اور تعطل کی پیدا کردہ ہے یا مذہبی پیشہ وارانہ چشمک کا نتیجہ! اور یہ دونوں چیزیں اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت کے قیام سے از خود ختم ہو جائیں گی۔ مزید برآں ؎

کچھ تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے آثار
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں

کے مصداق اس میں بہت کچھ رنگ آمیزی الحاد اور اباحیت کے علمبرداروں نے جان بوجھ کر کر دی ہے' تاہم اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ فقہی اختلافات ایک حقیقت واقعی ہیں اور ان کو یکسر ختم کر دینا ممکن ہی نہیں محال عقلی ہے اور عہد حاضر کی اسلامی ریاست یا نظام خلافت میں ان کو مناسب قانونی اور دستوری حیثیت دینا لازمی و لابدی ہے۔

اس اعتبار سے میری یہ بات یقیناً بہت عجیب معلوم ہو گی لیکن میں ابلاغ کی سہولت کے لئے یہ اصطلاح استعمال کر رہا ہوں کہ عہد حاضر کی اسلامی ریاست یا نظام خلافت "نیم سیکولر" ہو گا' یعنی جس طرح سیکولر نظام میں کم از کم نظری طور پر تمام مذاہب و ادیان کو شہریوں کے شخصی معاملے کی حیثیت سے برابر تسلیم کیا جاتا ہے اور ان کے ضمن میں ہر شخص کو مکمل آزادی دی جاتی ہے' اسی طرح جدید اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت میں پورے پرسنل لاء اور احوال شخصی (بشمول عائلی قوانین) میں جملہ فقہی مسالک برابر تسلیم کئے جائیں گے اور تمام شہریوں کو مکمل آزادی حاصل ہو گی کہ عقیدہ و عبادات' پیدائش' شادی بیاہ' اور تجہیز و تکفین کی جملہ رسومات و تقریبات حتیٰ کے عائلی قوانین اور احکامِ میراث میں اپنے اپنے مسلک کے مطابق عمل کریں (اور جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے یہ آزادی غیر مسلموں کو بھی بہ تمام و کمال حاصل ہو گی)۔ اس ضمن میں مشکل صرف عائلی قوانین کے ضمن میں

پیش آسکتی ہے' یعنی ہو سکتا ہے کہ لڑکا کسی ایک مسلک سے تعلق رکھتا ہو اور لڑکی کسی دوسری فقہ کی پیرو ہو' اس صورت میں سادہ اور آسان حل یہ ہے کہ نکاح کے موقع پر طے کرلیا جائے کہ اس شادی سے متعلق جملہ معاملات کس فقہ کے تحت طے ہوں گے' گویا دونوں میں سے کسی ایک کو' صرف عائلی قوانین کی حد تک دوسرے کے مسلک کو قبول کرنا ہو گا۔

اس معاملے میں بھی ہمیں ترقی یافتہ ممالک سے رہنمائی حاصل کرنے میں کوئی جھجک نہیں ہونی چاہئے۔ چنانچہ اس میں ہرگز کوئی حرج نہیں ہو گا کہ مختلف فقہی مسلک رجسٹر کرلئے جائیں اور ان کے اپنے اپنے اعلیٰ سطحی بورڈ ہوں جو اپنے اپنے مسلک کی مساجد اور اوقاف کا انتظام سنبھالیں اور حکومت کو اپنے اپنے مسالک سے متعلق امور میں مشورے دے سکیں' یہاں تک کہ عائلی مقدمات کا فیصلہ بھی ان ہی کے حوالے کردیا جائے۔

باقی جہاں تک قانونِ ملکی' یعنی فوجداری اور دیوانی قوانین' اور ملک کے پورے انتظامی ڈھانچے سے متعلق قواعد و ضوابط کا تعلق ہے تو اس معاملے میں دو میں سے کوئی ایک راہ اختیار کی جاسکتی ہے' یعنی ایک یہ کہ ان کے ضمن میں کسی بھی فقہ کو معین طور پر نافذ نہ قرار دیا جائے' بلکہ اصل حجت صرف کتاب اللہ اور سنت رسولؐ ہی قرار پائیں اور تمام مذاہب فقہی اور ان کے اختیار کردہ اجتہادات محض نظائر کی حیثیت سے مشترک علمی ورثہ قرار پائیں۔ اور دوسری یہ کہ ملک کی آبادی کی اکثریت جس فقہ کی پیرو ہو' پبلک لاء میں اسی کو نافذ کر دیا جائے' جیسے کہ فی الوقت ایران میں کیا گیا ہے۔ میرے نزدیک ان دونوں صورتوں میں بالفعل کوئی زیادہ فرق نہیں ہو گا' اس لئے کہ عملاً تو عہد حاضر کی اسلامی ریاست میں قانون اسلامی کی تدوین از سرنو ہو گی' اور یہ کام پارلیمینٹ یا مجلس ملی کے ذریعے ہو گا جس کے ضمن میں یہ فیصلہ کہ کہیں کتاب و سنت کی حدود سے تجاوز تو نہیں ہو گیا' ملک کی اعلیٰ عدالتوں کے ہاتھ میں ہو گا جہاں اصل دلیل صرف کتاب و سنت ہی ہوں گے۔ ملک کی آبادی کی

اکثریت کی فقہ کو اگر دستوری حیثیت بھی دی جائے تو اس کا عملی اثر صرف اس حد تک مترتب ہو گا کہ کتاب و سنت سے استدلال اور استنباط میں اس مخصوص مکتب فقہ کے اصول اختیار کئے جائیں۔ الغرض ؏ "مشکلے نیست کہ آساں نہ شود" کے مصداق یہ معاملہ بھی ہرگز لا ینحل نہیں ہے۔ ضرورت صرف اس ارادے اور عزم کی ہے کہ ہمیں مسلمان جینا اور مسلمان مرنا ہے اور زندگی کے انفرادی اور اجتماعی دونوں گوشوں کو دین کے تابع کرنا ہے۔

⑦ صدارتی وفاقی نظام

رہا یہ سوال کہ آیا عہد حاضر کی اسلامی ریاست کا دستوری خاکہ پارلیمانی طرز کا ہو گا یا صدارتی طرز کا اور اسی طرح یہ امر کہ آیا ریاست وحدانی ہو گی یا وفاقی تو ان میں سے کتاب و سنت کی کسی نص نے کسی بھی صورت کو مسلمانوں پر واجب و لازم نہیں کیا ہے بلکہ اصولی طور پر یہ معاملہ بھی ﴿ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ﴾ کے ذیل میں ہے 'لہٰذا کلیتاً ریاست کے شہریوں کی صوابدید پر ہے۔ تاہم اس تاریخی حقیقت کا ذکر کرنا نامناسب نہیں ہو گا کہ دورِ خلافت راشدہ کا نظامِ حکومت جدید تصورات کے اعتبار سے صدارتی اور وحدانی نظام سے قریب تر تھا۔ اور اسی طرح اس ذاتی رائے کے اظہار میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ پاکستان اور بھارت میں جس طرح پارلیمانی نظام کو گویا اصول موضوعہ اور ہمیشہ کے لئے طے شدہ فیصلے کی حیثیت دے دی گئی ہے وہ بھی کسی شعوری اور بالارادہ انتخاب کی بنا پر نہیں بلکہ صرف اس وجہ سے ہے کہ ہم پر انگریز حکمران تھے اور انہوں نے ہمیں جو ابتدائی تربیت دی وہ اسی نظام کی تھی' جو خود ان کے اپنے ملک میں رائج تھا۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اگر معروضی طور پر غور کیا جائے تو پاکستان اور بھارت' دونوں کے حالات سے صدارتی نظام زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔ البتہ اسے حقیقی معنوں میں وفاقی ہونا چاہئے۔ اس ضمن میں بھارت نے تو بعض اقدامات کر بھی لئے ہیں جیسے بہت سے صوبوں کی نئی تشکیل اور ان کے ضمن میں جغرافیائی حقائق کے ساتھ ساتھ لسانی اور ثقافتی حقائق کا بھی

مناسب لحاظ' لیکن پاکستان کو ابھی اس مرحلے سے بھی گزرنا ہے اور اس کے علاوہ مناسب ہے کہ صوبے چھوٹے چھوٹے بنائے جائیں اور ان کے مابین آبادی کا فرق و تفاوت بھی بہت زیادہ نہ ہو بلکہ اندازاً تمام صوبے لگ بھگ ایک کروڑ کی آبادی مشتمل ہوں (الا یہ کہ کسی خاص علاقے میں رقبہ کی نسبت سے آبادی بہت کم ہو' جیسے بلوچستان' تو وہاں کم آبادی پر بھی صوبہ بنایا جاسکتا ہے)۔ مزید برآں روحِ عصر کا تقاضا ہے کہ جملہ وفاقی اکائیوں کو زیادہ سے زیادہ داخلی خود مختاری دی جائے اور ہر علاقے کے لوگوں کی زبان اور ثقافت کو یکساں اہمیت دی جائے۔ سوائے عربی زبان کے جو ریاست کے اصل الاصول کے منبعوں اور سرچشموں' یعنی کتاب و سنت کی زبان ہے جس کی تعلیم پوری ریاست میں لازمی قرار دی جائے گی' اور جیسے ہی ممکن ہوا اسی کو سرکاری زبان کا درجہ دے دیا جائے گا۔

⑧ خواتین کی شرکت

رہا اس پورے نقشے میں خواتین کی شرکت اور شمولیت کا سوال تو اس سلسلے میں یہ امر تو قطعی طور پر طے ہو گا کہ کوئی عورت خلافت کے منصب پر فائز نہ ہو سکے گی۔ اس لئے کہ یہ اگرچہ حرام مطلق تو نہیں' لیکن مکروہِ تحریمی کی حد تک ناپسندیدہ ضرور ہے۔ اسی طرح یہ رائے بھی پہلے ہی دی چکی ہے کہ جہاں خلیفہ اور ارکانِ شوریٰ کی رکنیت کا معاملہ ہے' خواتین کو بھی رائے دہی کا حق حاصل ہو گا۔ البتہ مجلس شوریٰ کا معاملہ اس کے بین بین ہے کہ اگر ان کی مجلس شوریٰ میں شرکت کی گنجائش رکھی گئی ہے' تب بھی ان کے لئے ستر و حجاب کے شرعی احکام کی پابندی لازم ہو گی۔

⑨ غیر مسلموں کی حیثیت

جہاں تک غیر مسلم اقلیتوں کا سوال ہے اصولی بات تو پہلے ہی عرض کی جا چکی ہے۔ صدر ریاست یا خلیفہ اور مجلس شوریٰ کے انتخاب میں ان کو حق رائے دہی

حاصل نہیں ہو گا۔ البتہ تمام اقلیتی مذاہب کی ایک مشترکہ مجلس مشاورت یا مختلف مذاہب سے متعلق لوگوں کے علیحدہ علیحدہ مشاورتی بورڈ ان کے ووٹوں کے ذریعے تشکیل دیئے جاسکتے ہیں جو ان سے متعلق معاملات کے ضمن میں حکومت کو مشورے دے سکیں۔ یہ معاملہ یقیناً عہد حاضر کے مسلمہ اور مروجہ نظریات کے بالکل خلاف ہے' لیکن اگر ہم واقعتاً ایک اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت قائم کرنا چاہتے ہیں تو' جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے' یہ کڑوی گولی بہرصورت نگلنی پڑے گی۔ بصورت دیگر ہم نہ اِدھر کے رہیں گے نہ اُدھر کے ـــــ اور مسلسل ؎

"ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے!"

کی تصویر بنے رہیں گے!

لمحۂ فکریہ

اس کا حتمی فیصلہ ظاہر بات ہے کہ ایک زبردست عوامی تحریک ہی کے ذریعے ممکن ہے' چنانچہ ہماری تمام مذہبی جماعتوں کو غور کرنا چاہئے کہ جب تک ملک کے دستور اساسی میں یہ بنیادی امور طے نہ کرا لئے جائیں' ان اسمبلیوں میں شرکت مفید اور مناسب بھی ہے یا نہیں جن میں شمولیت کا پہلا قدم ہی دستور سے کامل وفاداری کا حلف اٹھانا ہوتا ہے؟ اور کیا صرف یہ خالص نظری اور موہوم سی امید کہ اسمبلی کے ذریعے دستور میں ترمیم بھی کرائی جا سکتی ہے' اس عمل میں تن من دھن کے ساتھ شرکت کے لئے کافی وجہ جواز ہے۔ بیٹنؤا تو جرُوا۔ اب ان شاء اللہ آئندہ صحبت میں "پاکستان کی قومی سیاست میں مذہبی جماعتوں کا کردار" کے موضوع پر گفتگو ہو گی۔

(شائع شدہ نوائے وقت ۵ / جون ۹۲ء)

۳

اسلامی ریاست میں
سیاسی جماعتوں کا کردار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حال ہی میں ایک اعلیٰ سطحی سرکاری تربیتی ادارے میں خطاب کی دعوت ملی۔ وہاں گفتگو کے لئے جو موضوع دیا گیا وہ بہت دلچسپ تھا۔ یہ موضوع دو اجزاء پر مشتمل تھا' یعنی ایک "اسلامی ریاست میں سیاسی جماعتوں کا کردار" اور دوسرا "پاکستان کی قومی سیاست میں مذہبی جماعتوں کا کردار" ـــــ گویا ایک بحث خالص علمی اور اصولی تھی اور دوسری واقعاتی اور تجزیاتی۔ وہاں ان دونوں موضوعات پر جو کچھ عرض کیا گیا اسے کسی قدر حک و اضافہ کے ساتھ سلسلہ وار ہدیۂ قارئین کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ چنانچہ آج اس موضوع کے حصہ اول سے متعلق گفتگو ہو گی اور اس کے بعد پاکستان کی قومی سیاست میں مذہبی جماعتوں کے کردار اور اس کے نتائج کا جائزہ لیا جائے گا۔ بعض مذہبی حلقوں کی جانب سے یہ رائے بہت شد و مد کے ساتھ پیش کی جاتی ہے کہ اسلامی ریاست میں سیاسی جماعتوں کا وجود جائز نہیں ہے' اس لئے کہ یہ تفرقہ اور انتشار کا سبب بنتی ہیں جبکہ اسلامی تعلیمات کی رو سے تفرقہ اور تحزب کے قبیل کی چیزیں فتنہ اور شرک کے ذیل میں آتی ہیں۔ اس رائے کے حامل حضرات اپنے مؤقف کی تائید میں نہ صرف یہ کہ تفرقہ اور اختلاف کی مذمت میں وارد شدہ جملہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی (ﷺ) پیش کرتے ہیں بلکہ اپنی رائے کو اتحاد و اتفاق کی تحسین و ترغیب پر مشتمل آیات و احادیث کے ذریعے مزید مؤکد کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان حضرات کا مؤقف یہ بھی ہے کہ سیاسی جماعتوں کا وجود اصلاً موجودہ انتخابی نظام کا حصہ ہے اور یہ نظام امیدواری کی اساس پر قائم ہے جو اسلام کی رو سے حرام ہے۔ اس طرح یہ پورا سلسلہ بنائے فاسد علی الفاسد کی کامل مثال ہے۔

جہاں تک اس موقف کے جزو اوّل کا تعلق ہے یقیناً جو حضرات یہ رائے پیش کر رہے ہیں وہ اپنی اس رائے پر بہت پہلے سے قائم ہوں گے لیکن امر واقعہ بہرحال

یہ ہے کہ اس رائے کا اظہار سابق صدر پاکستان' جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دور حکومت میں ہوا جو خود بھی اس کے حامی ہی نہیں پر جوش مبلغ تھے۔ پھر جنرل صاحب' موصوف کی یہ رائے بھی' ہو سکتا ہے کہ اصولی موقف پر مبنی ہو' لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ان کی ذاتی اور وقتی مصلحت کے بھی عین مطابق تھی۔ رہا اس مرکب رائے کا جزو ثانی' یعنی امیدواری کی حرمت' تو یہ موقف سب سے پہلے جماعت اسلامی نے ۵۱-۱۹۵۰ء میں قیام پاکستان کے بعد ہونے والے پہلے انتخابات کے موقع پر اختیار کیا تھا جو پنجاب کی صوبائی اسمبلی کے لئے ہوئے تھے۔ جماعت اسلامی نے تو ان انتخابات کے نتائج کے پیش نظر اپنے پورے طریق اور اپنی جملہ آراء (مثلاً امیدواری حرام ہے اور پارٹی ٹکٹ لعنت ہے!) سے عملاً رجوع کر لیا تھا لیکن بعض حضرات تاحال اس موقف کی صحت اور درستی کے قائل ہیں اور اس کے ضمن میں بھی ان کی جانب سے جہاں قرآن مجید کی وہ آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں دنیا میں ذاتی علو اور بالادستی کی طلب کو موجب فساد قرار دیا گیا ہے (جیسے سورۂ قصص کی آیت نمبر ۸۳) وہاں ان احادیث کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے جن میں عہدہ کے حصول کی خواہش یا سوال کی مذمت کی گئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ آراء چند در چند مغالطوں پر مبنی ہیں اور اگر ہم پاکستان میں واقعتاً ایک مثالی اسلامی ریاست کے قیام کے خواہاں ہیں تو ہمیں ان مغالطوں کے ازالے کے لئے کھل کر بات کرنے کی ضرورت ہے تاکہ قوم کے ذہین اور فہیم عناصر کے شکوک و شبہات رفع ہوں اور اسلام کے نظامِ حکومت و سیاست کی جانب پیش قدمی کی راہ ہموار ہو سکے۔

خلافت راشدہ کے خصائص

اس سلسلہ میں اولین اور عظیم ترین مغالطہ' جو اکثر لوگوں کو لاحق ہوا ہے یہ ہے کہ شاید عہد حاضر کی اسلامی ریاست دورِ خلافت راشدہ کے نظامِ حکومت کا ہو بہو چربہ یا

کاربن کاپی ہوگی' للذا سب سے پہلے اسی پر گفتگو مناسب ہے۔

پہلی خصوصیت : دورِ نبوت کا ضمیمہ

واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ ایک جانب خلافت راشدہ کا دور ہماری تاریخ کے عہد زریں کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے ساتھ محبت اور عقیدت کے رشتے کا استوار ہونا عین ایمان کا تقاضا ہے لیکن دوسری جانب اس حقیقت کو ہرگز نظرانداز نہیں کرنا چاہئے کہ دور خلافت راشدہ کے بعض ایسے خصائص اور امتیازات ہیں جو اس کے نظامِ حکومت میں توجز ولاینفک کے طور پر پیوست تھے لیکن اب دنیا میں دوبارہ کبھی وجود میں نہیں آسکتے' مثلاً اولین اور اہم ترین یہ کہ دورِ خلافت راشدہ دورِ نبوت کا ضمیمہ تھا اور اس وقت کا معاشرہ نبی اکرم ﷺ کی دعوت اور تربیت و تزکیہ کے مبارک اثرات و ثمرات سے مالامال تھا۔ اب نہ دنیا میں دوبارہ دورِ نبوت آئے گا نہ اس کے سے آثار و برکات کا حامل ضمیمہ یا تتمہ!

دوسری خصوصیت : صحابہؓ کی درجہ بندی

ثانیاً دور خلافت راشدہ میں ہمیں اشخاص و افراد کے مابین ایک درجہ بندی نظر آتی ہے جو نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے دوران کی گئی جان گسل انقلابی جدوجہد کے دوران سبقت الی الایمان اور ہجرت و جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں صبر و مصابرت' ایثار و انفاق اور سرفروشی و جانفشانی کی کیفیت و کمیت کی بنیاد پر وجود میں آئی تھی۔ چنانچہ چوٹی پر وہ دس صحابہ کرامؓ تھے جو عشرہ مبشرہ کہلاتے ہیں' پھر اصحابِ بدر کا درجہ تھا' ان کے بعد اصحابِ بیعت رضوان کا شمار تھا' وَقِسْ عَلٰی ذٰلِکَ۔ اب ظاہر ہے کہ یہ درجہ بندی نہ صرف یہ کہ فی الوقت موجود نہیں بلکہ آئندہ بھی اگر کوئی جدوجہد اصولی اعتبار سے انقلابِ نبوی ﷺ کے نہج اور منہاج پر ہوئی تب بھی اگرچہ اس کے کارکنوں میں ایک فطری درجہ بندی تو لازماً قائم ہوگی لیکن اس کے لئے اس قسم کی "سند" کا وجود میں آنا محال مطلق ہے جو نبی اکرم ﷺ کے فرامین و فرمودات کی بنیاد پر جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بحیثیت مجموعی اور مختلف صحابہ کو اپنے اپنے مرتبہ و مقام کے اعتبار سے انفرادی اور شخصی حیثیت سے حاصل تھی۔

سنت خلفاءِ راشدین کا اتباع لازم

دورِ خلافت راشدہ کے اس قسم کے خصائص کی بناء پر ہی نبی اکرم ﷺ نے اپنے اس فرمان مبارک میں خلفاء راشدین کی سنت کو اپنی سنت کے ساتھ ہمیشہ کے لئے نتھی کر دیا ہے کہ : "تم پر لازم ہے میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاءِ راشدین کی سنت' لہٰذا اسے مضبوطی کے ساتھ دانتوں سے پکڑے رکھو!" (ترمذیؒ' ابوداؤدؒ' عن عرباض ابن ساریہؓ) چنانچہ اسی بنا پر فقہاء کرام نے خلفاء راشدین ؓ کے اجتہادات کو اجماع کا درجہ دے کر ہمیشہ کے لئے واجب الالتزام قرار دیا ہے۔

قبائلی معاشرہ اور تمدنی ارتقاء

دورِ خلافت راشدہ کے ان مثبت خصائص کے ساتھ ساتھ اس امرواقعی کو بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہئے کہ ہماری تاریخ کا عہد زریں اور دینی اور فقہی اعتبار سے حجت ہونے کے باوجود وہ دور زمان و مکان اور ظروف و احوال کے ایک خاص پس منظر کا حامل ہے۔ چنانچہ جہاں یہ حقیقت ظاہر و باہر ہے کہ چونکہ اس وقت کا معاشرہ خالص قبائلی بنیادوں پر قائم تھا' لہٰذا اس دور کا نظامِ مشاورت بھی لامحالہ اسی کی اساس پر استوار تھا اور کسی گھرانے کے سربراہ یا قبیلے کے شیخ کی رائے معلوم ہو جانے کے بعد اس کے ایک ایک فرد سے رائے لینا سوائے وقت اور وسائل کے ضیاع کے اور کچھ نہ تھا' وہاں یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ آج سے چودہ سو سال قبل نوع انسانی بحیثیت مجموعی کم از کم سیاسی شعور کے اعتبار سے عہد طفولیت میں تھی اور ابھی سیاسی اداروں کے نشوونما کا عمل جاری تھا جس کا سب سے نمایاں مظہر یہ ہے کہ نہ صرف اس وقت بلکہ بعد میں بھی بہت طویل عرصے تک "ریاست" اور "حکومت" کے مابین کسی فرق و تفاوت کا فہم اور شعور نوعِ انسانی کو حاصل نہ ہوا تھا' جس کا لازمی اور منطقی' اور نہایت خوفناک نتیجہ یہ تھا کہ حکومت وقت کی مخالفت لامحالہ "بغاوت" ہی شمار ہوتی تھی۔ (اور اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو یہی اصل سبب تھا کربلا کے حادثۂ فاجعہ کا اور اس کے بعد کے ان متعدد حوادث کا جو حکومت کی تبدیلی کی کوشش کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوئے۔)

اس سلسلہ میں ہمیں اس اعتراف میں ہرگز کوئی باک محسوس نہیں کرنا چاہئے کہ

اگرچہ مسلمان عربوں نے فلسفہ' ریاضی' فلکیات اور طب وغیرہ جملہ علوم زیادہ تر یونان اور کسی قدر ہند سے حاصل کر کے انہیں پروان چڑھایا اور ترقی دی اور پھر ان علوم کو ہسپانیہ کی یونیورسٹیوں کے ذریعے وسطی یورپ کی اقوام' خصوصاً اہل فرانس اور جرمنی کو منتقل کیا ـــــ چنانچہ اسی کے نتیجہ میں "اصلاحِ مذہب" کی تحریک بھی برپا ہوئی اور "احیاء علوم" کی بھی' لیکن اس کے بعد ہم نہ صرف لمبی تان کر سو رہے بلکہ عیش و عشرت میں محو ہو گئے۔ اور پھر جملہ علوم و فنون کا ارتقاء یورپ ہی میں ہوا۔ چنانچہ وہیں سائنس اور ٹیکنالوجی نے ترقی کی' جس کے نتیجے میں انکشافات و ایجادات کا وہ سلسلہ شروع ہوا جس کی بلندیاں اب ؎ "عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں۔ کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے!" کے مصداق آسمانوں سے باتیں کر رہی ہیں اور تمدنی اور سیاسی ارتقاء کا عمل بھی یورپ ہی میں آگے بڑھا جس کے نتیجہ میں انسانی حقوق کا تصور بھی پروان چڑھا اور سیاسی ادارے بھی وجود میں آئے۔ اب اگر ہم یورپ کی سائنسی اور تیکنیکی ترقی کے ثمرات سے بہرہ اندوز ہونے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے اور زیادہ سے زیادہ یہی اصول اپناتے ہیں کہ نئی ایجادات کا استعمال شریعت کی حدود کے اندر رہنا چاہئے تو یہی اصول ہمیں مغرب کے تمدنی ارتقاء کے ثمرات کے ضمن میں بھی اختیار کرنا چاہئے کہ ان اداروں یا ان کے معمولات میں سے جو بھی قرآن و سنت کی واضح نصوص کی روشنی میں کلی یا جزوی طور پر "حرام" قرار پائیں ان سے تو لازماً اجتناب کریں لیکن باقی سے خواہ مخواہ الرجک نہ ہوں۔

تاریخ کا حقیقت پسندانہ مطالعہ

دورِ خلافت راشدہ کے ضمن میں ایک تیسری حقیقت یہ بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ اس سے جو محبت اور عقیدت ہمارے دلوں میں ہے (اور ہونی چاہئے!) اُسے اِس دَور کے حالات و واقعات کو حقیقی واقعاتی پس منظر میں دیکھنے کی راہ میں حجاب نہیں بننا چاہئے۔ اگر ہم ذرا دیر کے لئے تقدس کے پردے کو ہٹا کر دیکھیں تو صاف نظر آئے گا کہ اس دور میں بھی سیاسی پارٹیاں موجود تھیں' اور اگرچہ ابتدا میں وہ خالص قبائلی بنیادوں پر قائم تھیں' جیسے مہاجرین و انصار' یا اوس و خزرج یا بنو ہاشم اور بنو امیہ وغیرہ ـــــ تاہم کچھ ہی

عرصے بعد ان میں شخصیات کا عمل دخل نمایاں ہو گیا تھا۔ چنانچہ شیعانِ علیؓ اور شیعانِ عثمانؓ دو پارٹیاں وجود میں آگئیں جو ابتداء میں خالص سیاسی اختلافات کی بناء پر ہی وجود میں آئی تھیں۔ ان کی بناء پر مذہبی اور اعتقادی تفرقہ بہت بعد کی پیداوار ہے۔

اسی طرح "امیدواری" اس دور میں جس طرح حرام قرار دی جا رہی ہے اس میں بھی واقعات و حقائق سے صاف اور صریح گریز نظر آتا ہے۔ اس لئے کہ جہاں تک حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ منتخب ہونے کا معاملہ ہے' سب جانتے ہیں کہ وہ خالص ہنگامی حالات میں ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح بخاریؒ اور مسند احمد ابن حنبلؒ میں وارد روایات کے مطابق حضرت عمرؓ نے صراحتاً واضح کر دیا تھا کہ اسے آئندہ کے لئے نظیر نہیں بنایا جا سکتا اور مسلمانوں کے مشورے کے بغیر خلافت کا فیصلہ گویا مسلمانوں کے حقوق غصب کرنے کے مترادف ہو گا! اسی طرح حضرت عمرؓ کا معاملہ بھی استثنائی ہے' اس لئے کہ وہ بجائے خود بھی ایک غیر متنازعہ اور متفق علیہ شخصیت کے حامل تھے' پھر ان کا انتخاب نہیں ہوا بلکہ انہیں حضرت ابوبکرؓ نے اصحابِ حل وعقد سے استصواب اور مشورے کے بعد نامزد کر دیا تھا۔ لیکن خلیفہ ثالث کے انتخاب کا معاملہ مختلف تھا۔ حضرت عمرؓ خود کسی کے لئے انشراحِ صدر کے ساتھ فیصلہ نہ کر پائے تو انہوں نے معاملہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالہ کر دیا جو عشرہ مبشرہ میں سے اس وقت موجود تھے ــــ کہ اپنے میں سے کسی کو خلیفہ چن لیں (یہ ایک نہایت فیصلہ کن مثال ہے اُس دور میں موجود درجہ بندی کی!) گویا یہ اس وقت کا "الیکٹورل کالج" تھا۔

اب یہ تفصیل سب کے علم میں ہے کہ ان حضرات میں سے تین نے بقیہ تین کے حق میں "دستبرداری" کا اعلان کر دیا۔ بقیہ تین میں سے بھی ایک (حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ) نے اعلان کر دیا کہ اگر باقی دو حضرات فیصلے کا اختیار انہیں دے دیں تو وہ بھی "دستبردار" ہو جائیں گے' چنانچہ ایسا ہی ہوا' تو بتایئے کہ بقیہ دو حضرات جدید اصطلاح کے مطابق "امیدوار" کے سوا اور کیا قرار پائیں گے؟ اگرچہ یہ "امیدواری" معاذ اللہ' حکومت اور اقتدار کی حرص اور ذاتی علو و سربلندی کی خواہش کی بناء پر ہرگز نہ تھی بلکہ اپنی اپنی ترجیحات کے مطابق ملک و ملت کو بہتر سے بہتر انتظامی ڈھانچہ عطا کرنے اور اپنی اپنی خداداد صلاحیتوں و استعدادات کی مناسبت سے خلافتِ علیٰ منہاجِ النبوۃ کے مقاصد کو

زیادہ سے زیادہ سرعت اور تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھانے کے لئے تھی۔

اخلاقی اور قانونی تعلیمات میں فرق

ایک دوسرا خلط مبحث جو اس قسم کے معاملات میں بالعموم پیش آتا ہے وہ اسلام کی اخلاقی و روحانی اور فقہی و قانونی تعلیمات کے مابین فرق نہ کرنے کے باعث پیدا ہوتا ہے۔ اسلام کی ان دونوں سطحوں کی تعلیمات اکثر و بیشتر معاملات میں مختلف' اور بعض معاملات میں تو متضاد تک ہوتی ہیں' اور اگر ان کے مابین فرق و امتیاز قائم نہ رکھا جائے تو بسا اوقات خالص نیک نیتی کے تحت بھی نہ صرف یہ کہ بڑے بڑے مغالطے پیدا ہو جاتے ہیں بلکہ عظیم فتنے رونما ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اخلاقی سطح پر تو نبی اکرم ﷺ نے تین بار اللہ کی قسم کھا کر اس شخص کے ایمان کی مطلق نفی فرمائی ہے جس کی کج خلقی کے باعث اس کا پڑوسی امن اور چین میں نہ ہو' لیکن ظاہر ہے کہ اس کی بناء پر کسی کو غیر مسلم یا کافر قرار نہیں دیا جا سکتا اور اسی قسم کی احادیث کی بنا پر خلط مبحث کے باعث خوارج ایسا انتہائی گمراہ فرقہ وجود میں آیا جس نے ایک عظیم فتنے کی صورت اختیار کر لی۔ اسی طرح روحانی اور احسانی سطح پر قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ جو کچھ اپنی ضرورت سے زائد ہو اللہ کی راہ میں دے دیا جائے اور اپنے پاس مال جمع نہ کیا جائے' دوسری طرف قانونی سطح پر اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ حلال ذرائع سے جو کچھ کماؤ اس میں سے صرف زکوٰۃ تو لازماً وصول کر لی جائے گی' باقی کے ضمن میں تمہیں اختیار حاصل ہے کہ چاہو تو از خود اللہ کی راہ میں دے دو اور چاہو تو اپنے پاس رکھ لو ـــــ چنانچہ اسی پر زکوٰۃ اور میراث کے شرعی احکام نافذ ہوتے ہیں۔

سب جانتے ہیں کہ آیت کنز ہی کی بناء پر خالص نیک نیتی سے حضرت ابوذرؓ اس رائے کے شدت سے قائل ہو گئے تھے کہ چاندی سونے کی کوئی بھی مقدار اپنے پاس رکھنا حرامِ مطلق ہے۔ یہی معاملہ تفرقہ و انتشار کی مذمت اور اتحاد اور اتفاق کی ترغیب یا اقتدار کی حرص یا علو ذات کی خواہش کی مذمت کا ہے۔ یہ ایک اصولی اور اخلاقی تعلیم ہے لیکن نہ شعوب و قبائل کی تقسیم و تمیز اس کے منافی ہے جسے اللہ نے خود اپنی جانب منسوب کیا ہے' نہ ہی اس کی نفی اس حقیقت واقعی سے ہوتی ہے کہ معاشرے کا ہر فرد ایک نیم آزاد (آٹونومس) تنظیمی وحدت ہے جس کا سربراہ اپنی جگہ "والی امر" اور حدیث نبویؐ

کے الفاظ میں "راعی" ہوتا ہے۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے ملکی و قومی مسائل' خارجی اور داخلی حکمت عملی اور قومی آمد و خرچ (بجٹ) کے ضمن میں ترجیحات کے فرق کی بنیاد پر لوگ علیحدہ علیحدہ سیاسی جماعتوں کی صورت میں منظم ہوں تو جب تک ہر جماعت اور تنظیم کتاب و سنت کے حدود کے اندر اندر رہنے کی پابندی کا اقرار و اعلان کرے' اس میں ہرگز کوئی حرج نہیں ہے اور قرآن و سنت کی کوئی نص صریح ایسی نہیں ہے جس سے اس کی حرمت ثابت ہو۔

ہمارا اصل مسئلہ : اخلاق کا زوال

اس مسئلے میں مغالطے کا ایک اور سبب یہ ہے کہ ہم جب بھی ان موضوعات پر گفتگو کرتے ہیں' ہمارے پیش نظر اپنا ماحول ہوتا ہے اور ہم اپنے یہاں کی سیاسی جماعتوں کے کردار کو سامنے رکھتے ہوئے رائے قائم کرتے ہیں۔ حالانکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ کسی بھی معاملے کی اصولی حیثیت کو سامنے رکھا جائے' ورنہ ہمارے ہاں جو پیشے مقدس سمجھے جاتے ہیں اگر ان سے وابستہ لوگوں کی بھی اکثریت کے کردار کو سامنے رکھا جائے تو شاید رائے اکثر حالات میں برعکس قائم کرنی پڑے۔ اسی پر سیاسی جماعتوں کے کردار کو قیاس کرنا چاہئے کہ اصل خرابی قومی سطح پر کردار اور اخلاق کے زوال' دیانت و امانت کے فقدان' اور ایفاءِ عہد کے عنقا ہو جانے کی ہے' جس پر مستزاد ہے سیاسی شعور کی کمی اور سیاسی جماعتوں کی استحکام کی راہ میں بار بار کے مارشل لاء کے ادوار کے باعث رکاوٹ' جس کی بناء پر ہم سیاسی اعتبار سے بحیثیت مجموعی ایک "نابالغ" قوم بن کر رہ گئے ہیں اور ملکی سیاست نے خالص ذاتی مفادات کے کھیل کی صورت اختیار کرلی ہے' اس کے برعکس متمدن اور ترقی یافتہ ممالک کی سیاسی جماعتوں کو دیکھئے کہ داخلی طور پر کتنی مستحکم اور منظم ہوتی ہیں اور عوامی سطح پر ملک و قوم کے مسائل کے ضمن میں لوگوں کو سوچنے اور غور و فکر کرنے کی دعوت دیتی ہیں اور سیاسی و قومی معاملات کے ضمن میں تعلیم بالغاں کا فریضہ سرانجام دیتی ہیں۔

حاصل کلام

اس پوری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمیں عہد حاضر کی اسلامی ریاست کے ضمن میں

قرآن اور سنت اور دورِ خلافت راشدہ سے بنیادی اصول اخذ کرنے ہوں گے اور ان کے ساتھ انسان کے تمدنی ارتقاء کے نتیجے میں وجود میں آنے والے جملہ اداروں کی پیوند کاری کرنی ہو گی' اس شرط کے ساتھ کہ ان کے اصول و قواعد' یا معمولات و روایات میں جو چیزیں قرآن و سنت کی نصوص کی رو سے حرام ہوں ان کی قطع و برید اور تراش خراش کر دی جائے۔ اس لئے کہ جن اعلیٰ اقدار تک انسان نے اپنے اس طویل تمدنی ارتقاء کے ذریعے رسائی حاصل کی ہے' واقعہ یہ ہے کہ وہ سب علامہ اقبال کے قول کے مطابق اصل میں "نورِ مصطفیٰ" (ﷺ) ہی سے مستعار ہیں اور اس سفر کے دوران انسان نے جو ادارے تشکیل دیئے ہیں وہ نوعِ انسانی کی مشترک میراث ہیں اور ان اعلیٰ اقدار اور ان سیاسی و تمدنی اداروں کی برکات سے انسان صرف اس لئے محروم رہ گیا ہے' اور بحر و بر میں فساد اس لئے رونما ہو گیا ہے کہ اس نے فرعون اور نمرود کی پیروی کرتے ہوئے حاکمیت مطلقہ کا مدعی بن کر خود "شارع" یعنی قانون ساز کی حیثیت اختیار کر لی ہے اور اگر آج بھی آسمانی ہدایت و شریعت اور تمدنی ارتقاء کے ثمرات کو یکجا کر دیا جائے تو بائبل کی اصطلاح کے مطابق "زمین پر آسمان کی بادشاہت" قائم ہو جائے گی اور وہ عالمی نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ وجود میں آ جائے گا جس کے قیام کی صریح اور قطعی پیش گوئیوں کے ساتھ ساتھ اس کی کیفیات کے بارے میں حدیث نبویؐ میں یہ الفاظ مبارکہ بھی وارد ہوئے ہیں کہ : "اس سے آسمان والے بھی خوش ہوں گے اور زمین والے بھی۔ چنانچہ اس وقت آسمان بھی نعمتوں کی موسلادھار بارش برسائے گا اور زمین بھی اپنی نباتات و برکات کے سارے خزانے باہر نکال دے گی!"

آئندہ صحبت میں ان شاء اللہ ہم یہ واضح کرنے کی کوشش کریں گے کہ اسلامی ریاست کے بنیادی اصول کیا ہیں اور وہ عہد حاضر کی اعلیٰ ترین جمہوری معیارات کی حامل ریاست سے کن کن اعتبارات سے مختلف ہیں۔

(شائع شدہ : نوائے وقت ۲۹ مئی ۹۲ء)

۴

پاکستان کی قومی سیاست میں مذہبی جماعتوں کا کردار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاکستان کی قومی سیاست میں مذہبی جماعتوں کے کردار کے مثبت اور منفی پہلوؤں اور اس کے میزانیۂ نفع و نقصان کے موضوع پر گفتگو سے قبل تین باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔ ان میں سے دو باتیں تو سادہ بھی ہیں اور مختصر بھی' یعنی ایک یہ کہ یہاں سیاست کا وسیع تر مفہوم پیش نظر نہیں ہے بلکہ اس سے مراد صرف انتخابی سیاست ہے جس میں حصہ لینے والی جماعتیں الیکشن لڑ کر اس کے نتیجے میں حزب اقتدار یا حزب اختلاف کا کردار ادا کرتی ہیں اور دوسری یہ کہ اس گفتگو میں مذہبی جماعتوں سے مراد بھی صرف وہ مذہبی جماعتیں ہیں جو الیکشن میں براہ راست حصہ لیتی ہیں' دوسری مذہبی جماعتیں خواہ ان کی سرگرمیاں کتنی ہی وسیع ہوں (جیسے مثلاً تبلیغی جماعت) اور وہ انتخابات پر بھی بالواسطہ اثر انداز ہوتی ہوں' اس گفتگو کے دائرے سے خارج ہیں۔

تیسری وضاحت جو کسی قدر تلخ بھی ہے اور تفصیل طلب بھی' یہ ہے کہ حقیقت واقعی کے اعتبار سے قومی سیاست کا وجود پاکستان کے ابتدائی چند سالوں کے بعد ہی ناپید ہو گیا تھا۔ اس کے بعد کی سیاست کو ملکی سیاست تو قرار دیا جا سکتا ہے' قومی نہیں! چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ اس عاجز کے سامنے جیسے ہی یہ موضوع آیا اور اس نے اس پر اظہار خیال کے لئے غور شروع کیا تو فوری طور پر ذہن اس روایتی لطیفے کی جانب منتقل ہو گیا کہ جب ایک ضعیف بصارت کے مریض کو ڈاکٹر نے کرسی پر بٹھا کر سامنے کی دیوار پر آویزاں چارٹ پر درج عبارت کو پڑھنے کو کہا تو مریض نے پوچھا "کون سا چارٹ؟" اور اس پر جب ڈاکٹر نے کہا "وہ جو سامنے کی دیوار پر لگا ہوا ہے!" تو مریض نے سوال کیا "وہ دیوار کہاں ہے؟"..... حقیقت یہ ہے کہ بعینہٖ یہی معاملہ پاکستان کی قومی سیاست کا ہے کہ ع "ہرچند کہیں کہ ہے' نہیں ہے!"

اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ مسلم لیگ نے ۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۷ء تک کے

عرصے کے دوران مسلمانان ہند کی عظیم قومی تحریک کی حیثیت اختیار کرلی تھی اور پورے برعظیم پاک وہند کے مسلمانوں کا اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جانا اتنا ظاہرو باہر اور اس قدر حتمی اور قطعی تھا کہ وقت کی برطانوی حکومت' انڈین نیشنل کانگرس ایسی عظیم سیاسی قوت اور جمعیت علمائے ہند ایسی باا ثر مذہبی جماعتوں کی مخالفت کے علی الرغم پاکستان وجود میں آگیا..: لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس امر میں بھی ہرگز کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اس عظیم قومی جدوجہد کے دوران بھی مسلم لیگ اصلاً صرف ایک "تحریک" کی حیثیت رکھتی تھی اور اسے ایسی منظم جماعت کی حیثیت حاصل نہیں تھی جس کے رہنماؤں اور کارکنوں کی صفیں اور درجے مرتب اور معین ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی پاکستان قائم ہوا مسلم لیگ پر اضمحلال طاری ہو گیا۔ اس ابتدائی اضمحلال کی تلافی کے لئے یہ مصنوعی صورت اختیار کی گئی کہ مسلم لیگ کی صدارت اور ملک کی وزارت عظمیٰ کو ایک ہی شخص میں جمع کرکے قومی جماعت کو حکومت کا سہارا دیا جائے۔ لیکن ؏ "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" یعنی اس کے بھی برعکس نتائج برآمد ہوئے اور اس طرح مسلم لیگ کی عوامی جڑیں کمزور پڑتی چلی گئیں' یہاں تک کہ جلد ہی وہ صرف سرکار دربار کی زیبائش وآرائش کا ذریعہ بن کر رہ گئی۔

ادھر مسلمہ قومی قیادت کے منظرعام سے ہٹنے اور قومی جماعت کے کمزور پڑنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان کی ملکی سیاست صرف وڈیروں' جاگیرداروں' نوابوں اور قبائلی سرداروں کے ذاتی مفادات کا کھیل بن کر رہ گئی اور اس سے میدان سیاست میں جو دھماچوکڑی مچی اسے جواز بناکر ۱۹۵۸ء میں پاکستان کی بری افواج کے کمانڈر انچیف نے حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی۔ وہ دن اور آج کا دن' پاکستان میں اقتدار کے دو مستقل ستونوں کی حیثیت فوج اور سول بیوروکریسی کو حاصل ہے۔ رہے نام نہاد سیاست دان جن کی غالب اکثریت وڈیروں اور جاگیرداروں پر مشتمل ہے تو وہ اس اقلیم سیاست کے دوسرے درجہ کے شہری ہیں جو لیبل بدل بدل کر مختلف سیاسی

جماعتوں کی صورت اختیار کرتے رہتے ہیں اور فلمی دنیا کے ایکسٹرا اداکاروں کے مانند منتظر رہتے ہیں کہ ایوان اقتدار کے اصل قابضین میں سے کسی کی نگاہ کرم کب اور کس پر پڑتی ہے جو کچھ دیر کے لئے "جسے پی چاہیں' وہی سہاگن!" کے مطابق حریم اقتدار میں داخل ہو سکے۔

گویا اس تجزیئے کے مطابق تو پاکستانی سیاست میں نام نہاد قومی سیاسی جماعتوں کا کردار بھی ثانوی ہے۔ تو "تا بہ دیگراں چہ رسد؟" اور ع "قیاس کن ز گلستان من بہار مرا!" کے مصداق تیسرے نمبر پر شمار ہونے کے قابل علاقائی اور لسانی تنظیموں اور پھر ان کے بھی بعد چوتھے نمبر پر آنے والی مذہبی جماعتوں کے مثبت اور مستقل سیاسی رول کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ یہ اسی کا مظہر ہے کہ پاکستان کی چھیالیس سالہ تاریخ کے دوران صرف ایک مذہبی جماعت کے قائد نہایت مختصر مدت کے لئے پاکستان کے سب سے چھوٹے صوبے کے وزیر اعلیٰ رہے اور وہ بھی ان لوگوں کے سہارے جو علماءِ دین کیلئے اعلانیہ طور پر نہایت رکیک اور توہین آمیز الفاظ استعمال کرتے رہتے ہیں اور ایک دوسری جماعت کو پاکستان کے سب سے بڑے شہر میں قابل لحاظ عرصے کے لئے اقتدار حاصل رہا لیکن صرف بلدیات کی حد تک!

البتہ ایک دوسرے اعتبار سے مذہبی جماعتیں پاکستان کی سیاست میں نہایت نمایاں اور مؤثر بلکہ فیصلہ کن کردار ادا کرتی رہی ہیں۔ اگرچہ اس کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ وہ رول مثبت اور مفید رہا یا منفی اور مضر!.... ہماری مراد مختلف مواقع پر اٹھنے والی احتجاجی تحریکوں سے ہے جن کے نتیجے میں وقتاً فوقتاً ایوانِ حکومت میں زلزلے آتے رہے اور پاکستان میں اقتدار کی مستقل مثلث زاویئے بدلتی رہی۔ چنانچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایوب خان کے خلاف برپا ہونے والی ایجی ٹیشن میں بھی سب سے مؤثر کردار مذہبی جماعتوں کا تھا۔ بعد ازاں بھٹو صاحب کے اقتدار کے خاتمے کا سہرا بھی اصلاً مذہبی جماعتوں ہی کے سر پر تھا اور اسی طرح حال ہی میں ان کی بیٹی کی حکومت کے خاتمے اور پھر الیکشن میں شکست کا کریڈٹ بھی سب سے زیادہ بڑھ

کر مذہبی جماعتوں کو ہی جاتا ہے.... اور اس کا سبب بھی بالکل واضح ہے کہ عوام کو قربانی پر آمادہ کرنے والا سب سے مؤثر جذبہ مذہبی ہی ہوتا ہے جس کے زیر اثر لوگ جانیں دے دینے کو سب سے بڑی کامیابی سمجھتے ہیں' تو ظاہر ہے کہ ؎

"منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید' ناامیدی اس کی دیکھا چاہئے!"

کے مصداق احتجاجی مہموں اور مظاہراتی سیاست کے لئے ایسے لوگوں سے بڑھ کر کون موزوں ہو سکتا ہے!

تاہم جیسے عرض کیا جا چکا ہے اس رول کے مثبت یا منفی ہونے کا فیصلہ کرنا یا اس کا میزانیۂ نفع نقصان مرتب کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اس لئے کہ جہاں یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ ان احتجاجی تحریکوں کے نتیجے میں ایسی حکومتوں کا خاتمہ ہو گیا جو مختلف طبقات کو مختلف وجوہات کی بنا پر ناپسند تھیں' وہاں اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ اس سے نہ اسلام کو کوئی حقیقی اور واقعی فائدہ پہنچا' نہ مذہبی جماعتوں ہی کو کچھ حاصل ہوا بلکہ اینٹی ایوب ایجی ٹیشن کی کمائی بھٹو صاحب نے کھائی اور اینٹی بھٹو ایجی ٹیشن کا فائدہ جنرل ضیاء الحق نے اٹھایا۔ گویا ؏ "مرے کام کچھ نہ آیا یہ کمال بے نوازی!" اس پر مستزاد یہ کہ ان تحریکوں کے نتیجے میں پاکستان میں سیاسی عمل کی گاڑی بار بار پٹڑی سے اترتی رہی جس کے باعث عوام کا سیاسی شعور بھی ناپختہ اور نابالغ (RETARDED) رہا اور سیاسی ادارے بھی مسلسل شکست و ریخت کا شکار رہے!

پاکستان میں قومی سیاست کے ضعف یا فقدان کے اسباب کا ذرا گہرا تجزیہ کیا جائے تو اس کی تہہ میں یہ عقدہ لاینحل (DILLEMMA) بھی کار فرما نظر آتا ہے کہ حصول پاکستان کی تحریک مسلم قومیت کی بنیاد پر چلی اور اس کے دوران عوامی سطح پر سب سے زیادہ زور دار نعرہ اسلام کا لگایا گیا... لیکن جب پاکستان قائم ہو گیا تو ؏ "جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم تھا خزاں تھا!" کے مصداق جو واقعی صورت حال اور ٹھوس حقائق سامنے آئے وہ یہ تھے کہ اس میں آباد لوگوں کی غالب اکثریت میں

اسلام کے ساتھ ایک جذباتی وابستگی تو تھی لیکن سیرت وکردار اور اعمال واخلاق کا حال ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!"

کا مصداق اتم تھا یا اس سے بھی بڑھ کر ؎

"جانتا ہوں میں یہ امت حامل قرآن نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں"

اور ؎

"جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے ید بیضا ہے پیران حرم کی آستیں!"

کی تصویر کامل!..... بلکہ اس سے بھی زیادہ خوفناک صورت حال یہ تھی کہ عوام تو پھر بھی کم از کم عقیدے کی حد تک اللہ اور رسول ؐ' قرآن اور حدیث اور جنت اور دوزخ کے قائل تھے لیکن تعلیم یافتہ طبقات کا معتد بہ حصہ 'جو قومی معاملات میں فیصلہ کن اہمیت کا حامل تھا ؎

"ہم تو سمجھے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ!

کا منہ بولتا ثبوت اور ع "میرے اسلام کو اک قصہ ماضی سمجھو!" کی مجسم تصویر تھا... اب ظاہر ہے کہ "جذبات" کے بل پر "تحریکیں" تو چلا کرتی ہیں' لیکن سیاست میں اس کے بالکل برعکس ٹھیٹھ حقائق اور ٹھوس واقعات کی عکاسی ہوتی ہے چنانچہ پاکستان کی چھیالیس سالہ تاریخ کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو وہ ایک جانب ان ہی ٹھوس حقائق واقعی اور دوسری جانب مذہبی جذبات اور امنگوں کی رسہ کشی کا مظہر نظر آتی ہے اور نصف صدی کے لگ بھگ کا عرصہ گزر جانے کے باوجود آج بھی اگر حالات و واقعات کے بین السطور چشم حقیقت بیں سے مشاہدہ کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ

ایک جانب ہمارے معاشرے کی عمومی اقدار اور تعلیم یافتہ اور مقتدر طبقات کے مجموعی تصورات اور رجحانات ہیں جن پر عہد حاضر کی عالمی تہذیب کے زیر اثر مادہ پرستی' الحاد اور اباحیت کی گہری چھاپ ہے جن کا تقاضا ہے کہ ملک مغرب کے مروجہ تصورات کے مطابق وطنی قومیت کے اصول پر مبنی ریاست (NATION-STATE) قرار پائے اور مغرب کے سیاسی اور اقتصادی نظام کو سماجی اور تہذیبی اقدار سمیت جوں کا توں اختیار کر لیا جائے اور دوسری طرف مذہبی طبقات اور سیاست کے میدان میں بر سر عمل مذہبی جماعتیں ہیں جو عوام کے مذہب کے ساتھ جذباتی لگاؤ کے سہارے قانونِ شریعت کی تنفیذ اور اسلام کی تہذیبی اقدار کی ترویج کی جانب زور لگا رہی ہیں۔

اس رسہ کشی کے ضمن میں مذہبی جماعتوں کا یہ دعویٰ تو یقیناً صحیح ہے کہ اگرچہ ہم پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام اور قوانین شریعت کے نفاذ میں تاحال کامیاب نہیں ہو سکے لیکن ہماری میزانِ نتائج میں نفع اور کامیابی کے پلڑے میں یہ وزن کیا کم ہے کہ ہم نے یہاں سیکولر نظام کی جڑیں بھی مضبوط نہیں ہونے دیں!... لیکن قومی اور ملکی سطح پر یہ بات بہت قابل غور ہے کہ اس منفی کامیابی (اگر اسے کامیابی قرار دیا جا سکے!) کی قیمت قومی سیاست کے تعطل (STASIS) کی صورت میں ادا کی جاتی رہی تو شاید ملک ہی ع "آں قدح بشکست و آں ساقی نماند" کے مصداق حصے بخرے (BALKANISATION) ہو کر ختم ہو جائے اور وہ شاخ ہی باقی نہ رہے جس پر نظام اسلام اور قانونِ شریعت کے آشیانے بنائے جا سکیں۔ گویا اس رسہ کشی کے جاری رہنے میں اس بات کا بھی اندیشہ موجود ہے کہ رسہ ہی بیچ میں سے ٹوٹ جائے... مزید برآں اس تعطیل میں بھی خلاء تو بہرحال موجود نہیں ہے اور اس (STATUS QUO) کے معنی بھی تو یہی ہیں کہ جاگیرداری نظام بھی جوں کا توں برقرار رہے اور سودی معیشت بھی علیٰ حالہ قائم و دائم ہے اور نفاذ شریعت ایکٹ بھی نافذ ہوا ہے تو ایسا جسے جملہ مذہبی جماعتوں نے "انسداد شریعت ایکٹ" قرار دیا ہے۔

رہی بات مغربی معاشرت اور اس کے لوازم یعنی عریانی' بے حیائی اور فحاشی تو وہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر رہے ہیں!

حاصل کلام یہ ہے کہ انتخابی سیاست کے میدان میں سرگرم مذہبی جماعتوں کو اپنی حکمت عملی (STRATEGY) پر نظر ثانی کی شدید ضرورت ہے۔ چنانچہ بعض جماعتیں اس وقت اس انداز سے سوچ بھی رہی ہیں لیکن بحالات موجودہ یہ اندیشہ وہمی اور خیالی نہیں ہے کہ وہ کسی ردعمل کا شکار ہو کر دوسری انتہا کی جانب نکل جائیں اور ماحول کو کم از کم حد تک سازگار بنائے بغیر اور خود اپنی صفوں کی تربیت و استواری اور کارکنوں کی تربیت اور تزکیے کے ناگزیر تقاضے پورے کیے بغیر تصادم کی راہ اختیار کر لیں۔ جس کا نتیجہ ملک و قوم کے حق میں بھی تباہ کن ہو گا اور دین اور مذہب کے لئے بھی نہایت افسوسناک!... بنابریں اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ اس منہج نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کو اچھی طرح سمجھا جائے جس کے ذریعے تاریخ انسانی کا پہلا اسلامی انقلاب برپا ہوا تھا اور جسے اختیار کیے بغیر ع "خدایا! آں کرم بارے دگر کن!" کی آرزو شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتی!

(شائع شدہ: نوائے وقت ۱۲جون ۹۲ء)

۵

پاکستان میں نظامِ خلافت

امکانات' خدوخال اور قیام کا طریق کار

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ :

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۗ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ۗ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝ ﴾ (النور : ۵۵)

”وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائیں اور عمل صالح کا حق ادا کریں کہ وہ انہیں لازماً زمین میں خلافت عطا فرمائے گا' جیسا کہ خلافت عطا کی تھی اُن کو جو اِن سے پہلے تھے۔ اور ان کے لئے ان کے دین کو تمکن عطا فرما دے گا جو اُس نے ان کے لئے پسند کیا ہے' اور ان کے لئے خوف کے بعد امن کی حالت پیدا کر دے گا۔ پھر ایسے لوگ میری ہی بندگی کریں گے' کسی کو میرے ساتھ شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ پھر اس (قدر پختہ وعدے) کے بعد بھی جو لوگ روگردانی اختیار کریں (یعنی ایمان و عمل صالح کے تقاضے پورے نہ کریں) تو ایسے ہی لوگ فاسق (نافرمان) ہیں“۔

آج میں امت مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ کے حوالے سے آپ سے کچھ گفتگو کروں گا اور کچھ بات مستقبل کے بارے میں ہو گی۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم زمانہ حال ہی میں گم رہنے کے عادی ہو چکے ہیں' جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مؤمن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

زمانۂ حال کے اندر گم ہو جانا بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ سے دُور ہو جانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مطلوب شے تو یہ ہے کہ ماضی سے رشتہ استوار رکھو' مستقبل کی فکر کرو اور ان دونوں کو سامنے رکھتے ہوئے زمانہ حال میں اپنے طرزِ عمل کا تعین کرو۔ لیکن اگر صورت یہ ہو کہ ماضی سے بھی رشتہ کٹا ہوا ہو' مستقبل کی بھی فکر نہ ہو تو پھر انسان زمانۂ حال کے اندر گم ہو کر رہ جاتا ہے اور یہ چیز انسان کو ایمان کی بجائے کفر کی طرف لے جاتی ہے۔

اللہ کے تین مشروط وعدے

سورۃ النور کی آیت نمبر ۵۵ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے تین نہایت ہی مؤکد وعدے فرمائے ہیں' اگرچہ ہر وعدہ مشروط ہے۔ جیسے دوسرے مقامات پر فرمایا: ﴿ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ ﴾ (اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا) اور ﴿ فَاذْكُرُوْنِىْٓ اَذْكُرْكُمْ ﴾ (تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا) اسی طرح کا مضمون حدیث میں بھی آیا ہے' فرمایا: "میرا بندہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی جانب دوڑ کر آتا ہوں' میرا بندہ میری طرف بالشت بھر آتا ہے تو میں اس کی طرف ہاتھ بھر آتا ہوں"۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ بندہ تو اپنا رُخ شیطان کی طرف کئے ہوئے ہو اور اللہ تعالیٰ پھر بھی اس کی طرف متوجہ رہے۔ اگر ہم اللہ کی طرف رخ کر لیں' توجہ کر لیں تو وہ سراپا رحمت ذات ہر وقت رحمت کی بارش برسانے کے لئے تیار ہے ؎

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے راہروِ منزل ہی نہیں

زیرِ گفتگو آیت میں بھی اس قاعدہ کلیہ کے حوالے سے دو شرطیں موجود ہیں' یعنی ایمان اور عملِ صالح۔ ﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾
یہ خطاب مسلمانوں سے ہے۔ مدینہ میں مسلمانوں کے مابین منافقین کا گروہ بھی موجود

تھا‘ چنانچہ یہ وعدہ منافقوں سے نہیں ‘نام کے مسلمانوں سے نہیں ‘ بلکہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ان مسلمانوں سے ہے جو ایمان اور عمل صالح کا حق ادا کرنے والے ہوں ‘ پہلے خود اپنے اوپر اللہ کے دین کو قائم کرنے والے ہوں ‘ اپنی ذات کی حد تک اللہ کے خلیفہ بن گئے ہوں ‘ اپنے گھر اور اپنے دائرۂ اختیار میں اللہ تعالیٰ کی خلافت کا تقاضا پورا کرتے ہوں اور پھر مل جل کر طاقت اور قوت حاصل کر کے باطل سے ٹکرانے اور پنجہ آزمائی کرنے کو مستعد ہوں۔ باطل نظام سے ٹکر لئے بغیر کوئی کام نہیں بنتا۔ چھوٹے سے چھوٹا پودا بھی آسانی سے اپنی جڑ نہیں چھوڑتا‘ ایک جمے ہوئے درخت کو اکھاڑنے کے لئے تو بڑی قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح رائج الوقت باطل نظام آسانی سے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے لوگوں کو اپنی جانوں کی قربانی پیش کرنا پڑے گی‘ خون کی ندیاں بہانا پڑیں گی۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے خون کا نذرانہ پیش کرنا پڑا تو ہم میں سے کون ایسا ہے جو اس سے استثناء چاہتا ہو؟ اگر آنحضور ﷺ کا خون طائف کی سرزمین میں جذب ہوا اور آپؐ کا خون دامن احد میں گرا تو اور کون شخص یہ کہے گا کہ خون دیئے بغیر ایسا ہو سکتا ہے۔

ہمارے سامنے تو کتنی ہی روشن اور تابناک مثالیں موجود ہیں۔ ایمان اور عمل صالح کے ساتھ اگر جہاد ہو گا تو ہمارے لئے اللہ کے تین وعدے ہیں جو اس آیۂ مبارکہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ ہمیں لازماً زمین میں خلافت عطا فرمائے گا‘ جیسے اس سے پہلے عطا کی گئی تھی۔ بنی اسرائیل بھی اس زمرے میں آتے ہیں اور حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو بھی بڑی ہی عظیم الشان مملکت عطا کی گئی تھی۔ حضرت سلیمانؑ کی حکومت ہوا اور جنات پر تھی۔ یہ استخلاف اللہ نے حضرت سلیمانؑ کو عطا فرمایا تھا۔ مسلمانوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ تمہیں ایسا ہی ‘ بلکہ اس سے بھی بڑا استخلاف عطا فرمائے گا اگر تم ایمان اور عمل صالح کا حق ادا کرو گے۔ دوسرا وعدہ یہ کہ اس دین کو جسے اللہ نے تمہارے لئے پسند فرمایا ہے‘ تمکن عطا کرے گا‘ کیوں کہ حق کا یہ حق ہے کہ وہ غالب ہو نہ کہ مغلوب۔ مغلوب تو باطل کو ہونا چاہئے

"اَلْحَقُّ يَعْلُوْا وَلَا يُعْلٰى عَلَيْهِ" حق تو غالب رہنے کے لئے آیا ہے جب کہ مغلوبیت باطل کا شیوہ ہے۔ تاہم حق کے غلبے کے لئے اہل حق کو قربانی دینا پڑتی ہے۔ تیسرا وعدہ یہ ہے کہ وہ ہماری خوف کی حالت کو حالت امن سے بدل دے گا۔ خوف کی یہ حالت مکہ میں بھی تھی' جب صحابہ رضی اللہ عنہم کو ستایا جاتا تھا' ایذائیں پہنچائی جارہی تھیں۔ مدینہ میں بھی ہر وقت خوف کی حالت طاری تھی' کبھی مکہ سے مشرکین کی فوجوں کی آمد کا خطرہ رہتا تو کبھی مشرق سے یہودیوں کی سازشیں تھیں مگر اللہ تعالیٰ نے اس صورتِ حال کو امن سے بدل دیا۔

ان تین مؤکد وعدوں کا نتیجہ بیان فرماتے ہوئے کہا کہ پھر یہ لوگ میرے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ یہی سو باتوں کی ایک بات ہے اور دین کی حقیقت بھی یہی ہے۔ اسلام دین توحید ہے۔ بندگی' اطاعت' قانون' حکم سب اللہ کا ہے کہ ﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ﴾ (حکم دینے کا اختیار سوائے اللہ کے کسی کو بھی حاصل نہیں ہے اور اسی نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی اور اطاعت نہیں ہوگی۔) فرمایا : ﴿ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ اتنے پختہ وعدوں کے بعد بھی اگر لوگوں کو اعتبار نہ آئے اور پھر بھی مسلمان اپنی جان اور مال لگانے کو تیار نہ ہوں' یہ لوگ پھر بھی اس کام کے لئے کمر ہمت کسنے کو تیار نہ ہوں اور اتنے پختہ وعدوں کی بھی ناقدری کریں تو پھر یہ لوگ فاسق ہیں' اللہ تعالیٰ ان سے اپنی نگاہِ کرم پھیر لے گا۔

سورۃ النور کی اس آیت میں خلافت ارضی کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے کیا ہے' وہ ایک مرتبہ پورا ہو چکا ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سرزمین عرب پر غلبۂ دین مکمل ہو گیا تھا۔ اس کے بعد خلافت راشدہ کے عہد میں پورا شمالی افریقہ اور مشرق میں پورا ترکستان کا علاقہ' جو ستر (۷۰) برس کے بعد روسی استبداد کے پنجے سے اب آزاد ہو رہا ہے' اسلامی ریاست میں شامل ہو گیا۔ گویا بحر اوقیانوس سے دریائے جیحوں تک کے پورے علاقے میں خلافت کا نظام قائم ہو گیا۔ یوں

خلافت ارضی کے وعدۂ الٰہی کی تکمیل ہو گئی' قیصرو کسریٰ کی بادشاہتیں ختم ہو گئیں' کرۂ ارضی کے ایک بڑے حصے پر اللہ کا دین غالب ہو گیا اور اللہ کی حاکمیت قائم ہو گئی۔ یہ سب کچھ ہمیں بھی تاریخی اعتبار سے معلوم ہے اور دنیا بھی اس حقیقت کو نہیں جھٹلا سکتی۔

قیامت سے قبل "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کے قیام کی پیشین گوئی

حضور ﷺ نے یہ پیشین گوئی فرمائی ہے کہ دنیا کے خاتمے سے پہلے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا یہ نظام بالفعل دوبارہ قائم ہو گا اور خلافت کے اس نظام کا غلبہ اب عالمی سطح پر پورے کرۂ ارضی پر ہو گا۔ وہ صرف بحراوقیانوس سے دریائے جیحوں تک ہی نہیں ہو گا بلکہ کل زمین پر ہو گا۔ شاید آج کے حالات میں لوگوں کو یہ باتیں بڑی عجیب لگیں کہ آج تو مسلمان پسماندہ ہیں' مغلوب ہیں' دبے ہوئے ہیں' امریکہ کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ مگر ان سب حالات کے باوجود احادیث نبویہ کیا کہتی ہیں' آیئے دیکھتے ہیں۔ مسند احمد میں موجود حدیث کے مطابق حضور ﷺ نے پانچ ادوار کا ذکر فرمایا۔ چشم تصور سے ملاحظہ فرمایئے! حضور ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں اور یہ خبر دے رہے ہیں' آپؐ نے فرمایا :

((تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِيْكُمْ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ' ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ اِذَا شَآءَ اَنْ يَّرْفَعَهَا))

"تمہارے اندر نبوت کا دور رہے گا جب تک اللہ چاہے گا کہ رہے' پھر اللہ اسے اٹھا لے گا جب اٹھانا چاہے گا۔"

یعنی جب تک حضور ﷺ موجود رہے' مجسم نبوت کا دور جاری رہا اور پھر حضور ﷺ ((اَللّٰهُمَّ فِى الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى)) کہتے ہوئے دنیا سے پردہ فرما گئے تو وہ دور ختم ہو گیا۔ پھر حضور ﷺ نے دوسرے دور کا ذکر فرمایا :

((ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ))

"پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہوگی۔"

یعنی نبوت کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے طریق نبوت پر خلافت قائم ہوگی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو دین حق کے غلبے کے لئے مبعوث فرمایا تھا' آپؐ کو اسلام کا نظام عدل اجتماعی قائم کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ نبوت کا یہ مشن خود حضور ﷺ کی زندگی میں جزیرہ نمائے عرب کی حد تک پورا ہو گیا تھا مگر اسے ابھی آگے بڑھنا تھا لہٰذا وہ آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ :

((فَتَكُوْنُ مَاشَآءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ اِذَا شَآءَ اَنْ يَّرْفَعَهَا))

"پس یہ (دوسرا دَور بھی) جاری رہے گا جب تک اللہ چاہے گا کہ رہے' پھر اللہ جب چاہے گا اسے بھی اٹھا لے گا۔"

اس کے بعد حضور ﷺ نے تیسرے دَور کے بارے میں فرمایا :

((ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًّا))

"اس کے بعد کاٹ کھانے والی حکومت کا دَور آئے گا۔"

کنکھنی حکومت کا یہ دَور بنو اُمیہ اور بنو عباس کی ملوکیت کا دَور ہے۔ خلافت تو درحقیقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر ختم ہو گئی تھی' چنانچہ اہل سُنّت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت کو عہد خلافت راشدہ میں شامل نہیں کرتے۔ اسی ملوکیت کے دور میں کربلا کا حادثۂ فاجعہ رونما ہوا جس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے بہت سے ساتھیوں کے ساتھ شہید کر دیئے گئے' پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو مکے میں شہید کیا گیا۔ اسی عہد ملوکیت میں واقعہ حرہ کے نتیجے میں مدینۃ النبیؐ تباہ ہوا۔ اسی دَور ملوکیت میں حجاج بن یوسف کے ہاتھوں سینکڑوں تابعی رحمۃ اللہ علیہم شہید ہوئے' محمد بن قاسم کو سندھ سے واپس بلا کر شہید کر دیا گیا' اس لئے کہ بادشاہت کا تو یہ خاصہ ہوتا ہے کہ بادشاہ کسی دوسرے شخص کے مقبول ہونے سے ڈرنے لگتا ہے۔ بادشاہوں کے سامنے اپنے ذاتی مفادات ہوتے ہیں جن کو حاصل کرنے کے لئے وہ

لوگوں پر ظلم و ستم کا بازار گرم کر دیتے ہیں۔ حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق یہی دَورِ ملوکیت کاٹ کھانے والی حکومتوں کا دَور ہے۔ اس کے بارے میں آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((فَتَكُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّرْفَعَهَا))

"یہ دَور بھی رہے گا جب تک اللہ چاہے گا' پھر اللہ جب چاہے گا اسے بھی ختم فرمادے گا۔"

پھر حضور ﷺ نے چوتھے دَور کا ذکر فرمایا :

((ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا جَبرِيًّا))

"پھر جابرانہ بادشاہت کا ایک دور آئے گا۔"

آج چودہ سو برس کی تاریخ کھلی کتاب کی مانند ہمارے سامنے موجود ہے جس کی وجہ سے ہم یہ باتیں بہت اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ جابرانہ بادشاہت سے مراد غیروں کی غلامی کا زمانہ ہے۔ کسی علاقے پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا تو کہیں فرانسیسیوں نے' کہیں ولندیزیوں نے اور کہیں اطالویوں نے اپنے پنجے گاڑ لئے۔ بنو اُمیہ اور بنو عباس کے خلفاء چاہے خلفاءِ راشدین نہیں تھے مگر تھے تو مسلمان ہی۔ پھر انہی میں سے اچھے لوگ بھی سامنے آئے' انہی میں عبدالملک بن مروانؒ جیسے بڑے محدث اور فقیہہ انسان بھی تھے اور عمر بن عبدالعزیزؒ بھی جنہیں خلیفہ راشد تسلیم کیا جاتا ہے۔ جب یہ دَور بھی ختم ہوا تو غیروں کی حکومت آگئی۔ برصغیر کی یہ سرزمین انگریزوں کے تسلط میں آنے سے پہلے سکھوں کے قبضے میں تھی۔ دورِ غلامی کی یہ حکومت آہستہ آہستہ تمام مسلم علاقوں سے ختم ہو گئی ہے۔ اگرچہ غلامی کا یہ دَور ابھی پورے طور پر ختم نہیں ہوا۔ انڈونیشیا آزاد ہوا' ملائیشیا آزاد ہوا' تمام عرب ممالک آزاد ہوئے' مگر ذہنی غلامی جوں کی توں قائم ہے' تہذیبی غلامی پہلے سے بھی زیادہ ہے' معاشی غلامی کے بندھنوں میں بھی ہم جکڑے ہوئے ہیں۔ ہماری اس

حالت کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا تھا ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

مملکت خداداد پاکستان میں ہم آج بھی انگریزوں کے چھوڑے ہوئے نظام کو جوں کا توں لے کر چل رہے ہیں۔ سیاسی نظام بھی وہی 'تمدنی اقدار بھی وہی' معاشی نظام بھی وہی 'غرض سارا نظام وہی۔

یہ دَور جس میں ہم سانس لے رہے ہیں یہ چوتھے اور پانچویں دَور کا درمیانی عرصہ ہے۔ اس دَور کے اختتام پر پانچواں دَور آئے گا۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس دَورِ سعید کو جلد لائے اور اس دَور کو لانے کے لئے اللہ تعالیٰ ہماری زندگیوں کو قبول فرمالے۔ ہماری کامیابی اسی میں ہے کہ ہم اس راہ میں اپنی جانیں نچھاور کر دیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ وہ دَور لازماً آئے گا جس کی خبر نبی اکرم ﷺ نے ہمیں دی ہے کہ آپؐ سچے ہیں اور آپؐ کے سچے ہونے کی گواہی دی گئی ہے 'لہٰذا آپؐ کی دی ہوئی خبر کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔ حضور ﷺ نے پانچویں دَور کے بارے میں ارشاد فرمایا :

((ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ))

"پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو گی۔"

یعنی پھر پہلے ہی کی طرح خلافت کا دَور آئے گا جو نبوت کے نقشے پر ہی قائم ہو گا' نبوت کے مشن کے لئے ہو گا۔ راوی کے مطابق ان پانچ اَدوار کی خبر دینے کے بعد حضور ﷺ نے سکوت اختیار فرمایا۔ حدیث کے آخری الفاظ ہیں :

((ثُمَّ سَكَتَ))

"پھر آپؐ خاموش ہو گئے۔"

معلوم ہوا کہ اس پانچویں دَور پر ہی دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس وقت نوعِ انسانی پانچویں دَور کی دہلیز پر کھڑی نظر آ رہی ہے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا اب جب نظامِ خلافت قائم ہو گا تو وہ عالمی سطح پر قائم ہو

گا۔ اس ضمن میں آنحضور ﷺ کا ارشادِ مبارک ملاحظہ فرمایئے۔ یہ حدیث حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں روایت کی گئی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((اِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِيَ الْاَرْضَ فَرَاَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَاِنَّ اُمَّتِيْ سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِيْ مِنْهَا))

"اللہ نے میرے لئے زمین کو لپیٹ دیا' پس میں نے زمین کے سارے مشرق بھی دیکھ لئے اور سارے مغرب بھی' میری امت کی حکومت ان تمام علاقوں پر قائم ہو کر رہے گی جو مجھے لپیٹ کر دکھائے گئے۔"

ایک اور حدیث میں جو مسند احمدؒ کی ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :

((لَا يَبْقٰى عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ بَيْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ كَلِمَةَ الْاِسْلَامِ' بِعِزِّ عَزِيْزٍ وَ ذُلِّ ذَلِيْلٍ))

"روئے ارضی پر نہ کوئی گھر جو اینٹ گارے سے بنا ہوا ہو' باقی بچے گا' نہ کمبلوں سے بنا ہوا خیمہ جس میں اللہ کلمۂ اسلام کو داخل نہ کر دے! خواہ کسی سعادت مند کو عزت دے کر خواہ کسی بد بخت کی مغلوبیت کے ذریعے۔"

یعنی اس داخلے کی دو شکلیں ہوں گی۔ یا تو عزت والے کے اعزاز کے ساتھ یا ذلیل کی تذلیل کے ساتھ۔

((اِمَّا يُعِزُّهُمُ اللّٰهُ فَيَجْعَلُهُمْ مِنْ اَهْلِهَا اَوْ يُذِلُّهُمْ فَيَدِيْنُوْنَ لَهَا))

"یا تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عزت عطا فرما دے گا کہ انہیں اس (کلمۂ اسلام) کا قائل و حامل بنا دے گا' یا انہیں مغلوب فرما دے گا کہ اس کے محکوم بن جائیں۔"

یعنی اگر گھر والا خود اپنی مرضی سے اسلام کو قبول کر لے گا تو یہ صورت اعزاز کی ہو گی' اس لئے کہ ﴿ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ کہ عزت تو اللہ کا حق ہے' اس کے رسول اور اہل ایمان کا حق ہے۔ چنانچہ گھر والا اسلام قبول کر کے اس

عزت میں شامل ہو جائے گا۔ لیکن اگر وہ اسلام قبول نہیں کرے گا تو اسلام تب بھی اس کے گھر میں داخل ہو گا۔ اس صورت میں از روئے فرمانِ الٰہی : ((یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صَاغِرُوْنَ)) اسے جزیہ دینا ہو گا' اسے اسلام کی بالادستی قبول کرنا ہو گی' اسے اسلامی قانون کی پابندی کا عہد کرنا ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت راشدہ کے عہد میں اسلامی افواج کا کمانڈر ہمیشہ دشمن کے پاس تین باتیں رکھتا تھا۔ ایک یہ کہ اسلام لے آؤ تو تم لوگوں کو ہمارے جیسی حیثیت حاصل ہو جائے گی' تمہاری جان' تمہارا مال' تمہاری عزت اتنی ہی محترم ہو گی جتنی خود ہماری ہے' تم ہمارے برابر کے بھائی بن جاؤ گے ـــــ اگر تمہیں یہ صورت قبول نہیں تو تم اپنے مذہب پر رہتے ہوئے ہمیں جزیہ ادا کرو اور اللہ کے دین کی بالادستی کو تسلیم کر لو ـــــ لیکن اگر تمہیں یہ شرط بھی قبول نہیں تو میدان میں آؤ' تلوار ہمارے اور تمہارے مابین فیصلہ کر دے گی۔ اسلامی تاریخ سے اس حد تک تو ہر مسلمان واقف ہے کہ ہر جنگ سے پہلے یہی تین باتیں کہی جاتی تھیں' چوتھی بات کوئی نہ تھی کیونکہ حقیقی مسلمان کفر کے غلبے کو برداشت کر ہی نہیں سکتا۔ ہاں اگر اس کی طاقت نہیں تو کفر کے غلبے کو ختم کرنے کی کوشش کرتا رہے گا۔ اسی جدوجہد میں جان دے دے تو ایسا شخص اللہ کے ہاں کامیاب سمجھا جائے گا۔

احیاءِ خلافت کی جدوجہد کا نبویؐ طریق

ان احادیث کے حوالے سے یہ بات بخوبی واضح ہو چکی ہے کہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دَور دوبارہ آئے گا اور یہ خلافت عالمی سطح پر قائم ہو گی۔ اس تصور کو قرآن مجید نے بھی بیان کیا ہے۔ آپ حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ میرا بنیادی کام ہی قرآن مجید کو پڑھنا اور پڑھانا ہے۔ ہماری دعوت کا پہلا قدم "رجوع الی القرآن" ہے۔ اسی مشن میں میری پوری عمر لگ گئی ہے اور اب میرا آخری قدم "رجوع الی الخلافہ" ہے۔ حضور ﷺ نے مکے میں قرآن پڑھ کر سنایا اور مدینے میں خلافت کا

نظام قائم فرمادیا۔ یہی تدریج اور یہی طریقہ ہے جو میں نے حضور ﷺ کی سیرت سے سیکھا ہے۔ حضور ﷺ کے ہاتھوں یہ مشن بالفعل پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تھا' لیکن ہم اگر اسی کام میں اپنی جانیں لگادیں اور کھپادیں تو ہمارے لئے کامیابی ہی کامیابی ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بھی تو اپنی آنکھوں سے اسلام کا غلبہ نہیں دیکھا کہ وہ تو غزوۂ احد میں ہی شہید کردیئے گئے تھے۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا مکہ ہی میں شہید کردیئے گئے تھے' انہیں بھی اسلام کا غلبہ دیکھنا تو کیا مدینہ دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوا۔ لیکن کیا معاذ اللہ یہ ناکام ٹھہرے؟ اسی طرح ہم نظامِ خلافت کی جدوجہد ہی میں اپنی جان دے دیں تو ہم کامیاب ہوں گے' بشرطیکہ یہ یقین رہے کہ نظامِ خلافت کا قیام ہو کر رہے گا ـــــ حضور ﷺ کا مقصد بعثت دین کا غلبہ تھا' جسے قرآن حکیم میں تین بار اِن الفاظ میں بیان فرمایا گیا :

﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ کُلِّهٖ ﴾

"وہی (اللہ) ہے جس نے بھیجا اپنے رسول ؐ کو ہدایت نامہ (قرآن حکیم) اور دین حق کے ساتھ' تاکہ اسے غالب کردے کل کے کل دین پر۔"

اور ایک جگہ فرمایا گیا :

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ۝ ﴾

"(اے نبی ؐ!) ہم نے نہیں بھیجا ہے آپ ؐ کو مگر تمام انسانوں کے لئے بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر!"

ان دونوں باتوں کو باہم جوڑنے سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اگر پورے عالم ارضی پر دین کا غلبہ نہ ہو تو حضور ﷺ کا مقصد بعثت شرمندۂ تکمیل رہتا ہے۔ یہی بات علامہ اقبال نے کہی تھی ؎

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

پورا کرۂ ارضی جب تک نورِ توحید سے جگمگا نہیں جاتا اس وقت تک محمد ﷺ کا مشن جاری رہے گا۔ جیسے کبھی میدانِ بدر اور دامن بدر میں حق و باطل کی معرکہ آرائی تھی ویسے ہی حق و باطل کا معرکہ آج بھی جاری ہے۔ اسے دیکھنے کے لئے بصیرت چاہئے' بصارت چاہئے۔ بقول اقبال ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی ؐ سے شرارِ بولہبی

ہاں' ایک وقت آ کر رہے گا جب شرارِ بولہبی بجھ جائے' اور چراغِ مصطفوی ؐ سے چہار دانگ عالم منور ہو جائے گا۔

موجودہ عالمی حالات اور اسلام کا مستقبل

یہ تو ماضی اور مستقبل کی بات ہوئی' اب کچھ زمانۂ حال کی بات بھی ہو جائے۔ زمانۂ حال کا معاملہ بہت مایوس کن ہے۔ اس وقت دنیا کی کل آبادی ٦ ارب کے قریب ہے جس میں سوا ارب کے قریب مسلمان ہیں۔ اٹھارہ کروڑ مسلمان صرف بھارت میں ہیں۔ تیل کی دولت بھی مسلمانوں کے پاس ہے' افرادی قوت بھی وافر مقدار میں مہیا ہے' زرعی رقبہ بھی ہے' لیکن اس سب کے باوجود عزت نام کی کوئی شے مسلمانوں کو حاصل نہیں ہے۔ دنیا میں مسلمانوں کی کوئی حیثیت نہیں' ہماری قسمت کے فیصلے کہیں اور ہوتے ہیں' ہماری منصوبہ بندی کسی اور جگہ تشکیل پاتی ہے' ہمارا بجٹ کوئی اور طاقت منظور کرتی ہے' اشیاءِ صرف کے نرخوں کا تعین بھی باہر ہی سے ہوتا ہے۔ غرضیکہ نہایت ہی تشویش ناک اور مایوس کن صورتِ حال کا سامنا ہے۔ ان حالات میں مَیں کون ہوتا ہوں آپ حضرات کو خوشخبری سنانے والا؟ لیکن میں تو نقل کرنے والا ہوں' میں تو حضور ﷺ کی بات آپ کو سنا رہا ہوں' جو میرے لئے بھی قطعی الثبوت ہے اور آپ کے لئے بھی قابل یقین ہی نہیں واجب یقین ہے۔ تو اگرچہ اس وقت کے حالات کے اعتبار سے تو معاملہ بہت مختلف ہے۔ نہ

توہماری کہیں عزت ہے اور نہ ہی ہمیں حقیقی آزادی حاصل ہے۔ لیکن ایسے میں مَیں آپ کو عالمی سطح پر نظامِ خلافت کے قیام کی خبر دے رہا ہوں اور اس وقت دے رہا ہوں جب "نیو ورلڈ آرڈر کا دور آچکا ہے۔ ظلم کی آندھی اٹھ رہی ہے۔ یہ "نیو ورلڈ آرڈر" درحقیقت "جیو ورلڈ آرڈر" ہے۔ امریکی شہر نیویارک کو خود وہاں کے لوگ بھی "جیویارک" کہتے ہیں اور علامہ اقبال مرحوم نے اس صدی کے آغاز میں انگلستان اور جرمنی کے مشاہدے کے بعد فرمایا تھا کہ "فرنگ کی رگِ جاں پنجہ یہود میں ہے۔" یہ ایک صدی قبل کی بات ہے لیکن آج پوری دنیا جانتی ہے کہ دنیا میں ایک ہی سپریم طاقت باقی رہ گئی ہے جسے امریکہ کہا جاتا ہے۔ سوویت یونین کا وجود تک ختم ہو چکا ہے' اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے ہیں۔ اس سے پہلے روس اور امریکہ دونوں کے مابین محاذ آرائی کا معاملہ چل رہا تھا' مگر اب تو میدان میں صرف ایک ہی طاقت ہے جس پر یہود کا شکنجہ کسا ہوا ہے۔

۱۹۴۸ء میں اسرائیل کا قیام عمل میں آیا تھا۔ یہود کا یہ پختہ اور اٹل منصوبہ ہے کہ ۱۹۹۸ء تک عظیم تر اسرائیل وجود میں آجائے گا۔ یہودی اکابرین کے منشور میں یہ سب نقشے' یہ سب تفصیلات درج ہیں۔ ان کی منصوبہ بندی کے پورے پچاس برس کے بعد اسرائیل قائم ہو گیا تھا اور مزید پچاس برس بعد عظیم تر اسرائیل کا قیام ان کے منصوبے کا حصہ ہے۔ میڈرڈ امن کانفرنس سے واپس آکر اسرائیلی وزیراعظم شمیر نے کہا کہ ۱۹۶۷ء کی جنگ میں عربوں کے جو علاقے اسرائیلی قبضے میں آئے تھے کیا وہ ہم خالی کر دیں؟ نہیں' ہمیں تو اپنی سرحدیں مزید بڑھانا ہیں' اس لئے کہ پورا شام ہمارا ہے' پورا عراق ہمارا ہے' پورا لبنان ہمارا ہے' پورا مصر ہمارا ہے' ترکی کا مشرقی علاقہ ہمارا ہے' شمالی حجاز کا علاقہ بھی ہمارا ہے اور اِن علاقوں میں مدینہ منورہ بھی شامل ہے۔ ان علاقوں پر مشتمل عظیم تر اسرائیل کا نقشہ اسرائیلی پارلیمنٹ کے باہر آویزاں ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ آج دنیا کی کوئی طاقت اسرائیل کے راستے کا روڑا بنتی نظر نہیں آتی۔ اس صورتحال کی خبر بھی حضور ﷺ

نے امت کو دے رکھی ہے کہ یہود کی باسی کڑھی میں ایک دَور میں پھر اُبال آئے گا جب دجالِ اکبر کی صرت میں یہود کے لیڈر کا ظہور ہو گا۔ یہی "المسیح الدجال" ہو گا جس کی حضور ﷺ نے خبر دی ہے اور اس سے حضور ﷺ نے خود پناہ مانگی۔ "اَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ" یعنی اے اللہ! میں مسیح دجال کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "مسیح دجال کے فتنے سے تمام انبیاءؑ نے بھی پناہ مانگی اور اپنی اپنی امتوں کو بھی اس فتنے سے پناہ مانگتے رہنے کی تلقین فرمائی"۔ خلیج کی جنگ کو صدام حسین نے "امّ المحارب" کہا تھا اور صحیح کہا تھا۔ اس جنگ میں ایک عارضی سا تعطل پڑ گیا ہے۔ دجالِ اکبر کے ظہور کا زمانہ آنے والا ہے۔ جو امت مسلمہ کے لئے سب سے بڑی آزمائش ہو گا۔ بہرحال جو ذلت و مسکنت یہود کا مقدر تھی وہ آج امت مسلمہ پر مسلط ہے۔ اس لئے کہ ہم نے خود بھی وہی کچھ کیا ہے جو یہود کا چلن تھا۔ ہم نے دین سے غداری کی' بے وفائی کی جبکہ فتح و نصرت کا وعدہ تو وفا سے مشروط ہے ؎

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا' لوح و قلم تیرے ہیں

امت مسلمہ میں سب سے بڑے مجرم خود اہل عرب ہیں' اس لئے کہ انہی میں سے محمد رسول اللہ ﷺ تھے اور انہی کی زبان میں اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب نازل فرمائی' لیکن پھر بھی ان لوگوں نے اللہ کے دین سے روگردانی اختیار کر لی اور یوں اللہ کی سنت ثابتہ ان پر صادق آچکی کہ ﴿ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ﴾ یعنی اگر تم روگردانی اختیار کر لو گے تو ہم تمہیں ہٹا کر کسی اور قوم کو لے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر سات سو برس پہلے اس وقت عمل ہو چکا ہے جب امت مسلمہ کی قیادت عربوں سے سلب کر لی گئی اور وحشی تاتاری ہر طرف مسلمانوں کا خون بہانے لگے۔ اس صورتِ حال پر شیخ سعدیؒ نے کہا تھا ؎

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں

برزوالِ ملک مستعصم امیر المؤمنیں

لیکن عربوں کے زوال کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود تاتاریوں کو اسلام کی دولت سے فیض یاب کر دیا اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ؎

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

عربوں کی پیٹھ پر عذابِ خداوندی کا پہلا کوڑا تو کب کا برس چکا' اب اُن پر عذاب کی آخری قسط بھی آ چکی ہے اور تمام عرب ممالک پوری طرح عذاب خداوندی کی لپیٹ میں آ چکے ہیں۔ البتہ غیر عرب اقوام میں سب سے بڑے مجرم ہم پاکستانی ہیں کہ ہم نے اسلام کے نام پر ملک حاصل کیا تھا۔ ہم نے "پاکستان کا مطلب کیا؟لاالٰہ اِلااللہ!" کے نعرے لگائے تھے' لیکن ۵۳ برس کا عرصہ گزرنے کے باوجود اسلام کہیں نظر نہیں آتا۔ جو اسلام پہلے موجود تھا اب تو ہم اس سے بھی بڑے دُور جا چکے ہیں۔ انگریزی تہذیب و تمدن جس قدر آج ہمارے ہاں رواج پا چکے ہیں' ۱۹۴۷ء سے پہلے تو یہ حال نہ تھا۔ اس وقت چند اونچے گھرانوں کا یہ چلن تھا مگر آج پوری قوم اس تہذیب میں رنگی جا چکی ہے۔ اس اعتبار سے ہمارا حال بہت دگرگوں ہے' مگر مستقبل کے حوالے سے حضور ﷺ کی یہ پیشین گوئیاں موجود ہیں' جن کے مطابق ایک بہت بڑے قائد کی حیثیت سے حضرت مہدیؑ آئیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان کا نام میرے نام پر ہو گا اور ان کی والدہ کا نام میری والدہ کے نام پر ہو گا۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہو گا اور حضرت مسیحؑ ہی مقامِ "لد" پر دجال کو قتل کر دیں گے۔ آج یہی "لد" لڈا کے نام سے اسرائیل کا ایک بڑا فوجی اڈہ ہے۔ اسی جگہ سے دجالِ اکبر بھاگنے کی کوشش میں ہو گا جب حضرت مسیحؑ اسے پکڑ کر قتل کر دیں گے۔ یہی وہ وقت ہو گا جب یہود کا قلع قمع ہو گا' ان کا ایک ایک بچہ قتل ہو گا۔ یہ وہ وقت ہو گا جب ایک طرف حضرت مسیحؑ کی شکل میں آسمان سے نصرت آئے گی اور دوسری جانب مشرق کی طرف سے مدد آئے گی۔ مشرق وہی علاقہ ہے جس میں ہم آباد ہیں۔

حدیث میں اسی علاقے کو خراسان سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ خراسان میں آج کا پورا افغانستان شامل ہے اور قدیم زمانے کے خراسان میں پشاور تک کا علاقہ بھی شامل ہے۔ اسی علاقے سے افواج کی صورت میں علم بردار گروہ یروشلم پہنچیں گے اور یہود کا مقابلہ کریں گے۔

اس وقت دنیا میں یہود کا جو اثر و رسوخ اور غلبہ نظر آ رہا ہے اس کی حیثیت عارضی ہے۔ جس طرح بجھنے سے پہلے چراغ آخری دفعہ بھڑکتا ہے' یہود کا یہ اقتدار' ان کا یہ عروج بجھتی ہوئی شمع کی آخری بھڑک کی مانند ہو گا۔ اس کے سوا اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لیکن یہود کی بجھتی ہوئی شمع کی آخری بھڑک سے جس طرح مسلمانوں کو مصائب و آلام کا سامنا ہو گا اور جو سزا ملے گی اس کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ آج دنیا کے حالات بہت ہی تیز رفتاری سے بدل رہے ہیں۔ خلیج کی جنگ اِن تمام حالات و واقعات کا سلسلۂ آغاز ہے۔

نظامِ خلافت اور اس کے خدوخال

اِن حالات میں ہمارے لئے سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ نظامِ خلافت کیا تھا جو محمد عربی ﷺ کے ذریعے قائم ہوا؟ ہم صرف لفظ "خلافت" ہی کی تکرار کرتے رہیں اور نظامِ خلافت کی وضاحت نہ ہو تو ظاہر بات ہے کہ معاملہ آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ ہمیں دنیا کے سامنے واضح کرنا ہو گا کہ وہ نظامِ خلافت ہے کیا جو ہمارے پیشِ نظر ہے۔ پھر اس میں روحِ عصر کے تقاضوں کو بھی شامل کرنا ہو گا' اس لئے کہ حالات میں بڑی تبدیلی واقع ہو چکی ہے۔ اب جہاں یہ ضروری ہے کہ روحِ دین برقرار رہے اور روحِ خلافت بھی قائم رہے' وہاں یہ لازم ہے کہ عصرِ حاضر کے تقاضے بھی اس کے اندر سمو دیئے جائیں۔ میں اپنی اس بات کو ایک مثال کے حوالے سے واضح کرنا چاہتا ہوں۔ ایک دَور وہ تھا جب نوعِ انسانی بادشاہت کے علاوہ کسی اور طرزِ حکومت کو

جانتی نہیں تھی تو اُس زمانے میں خلافت بھی بادشاہت ہی کی شکل میں تھی۔ حضرت داوٗدؑ بادشاہ ہی تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ ﴾ ـــــ لیکن حضور ﷺ کے زمانے میں یہ خلافت مسلمانوں کی ایک مشترکہ متاع بن گئی‘ اسے اجتماعی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اب مسلمانوں کو خود اپنے میں سے کسی فرد کو خلیفہ چننا ہے۔ اب خلافت نہ نسلی بنیادوں پر قائم ہو گی اور نہ ہی وراثت میں منتقل ہو گی۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے زمانے میں حکومت کا معاملہ جب نسل اور وراثت کے حوالے سے طے ہونے لگا تو یہ نظام نظامِ خلافت نہ رہا‘ بلکہ ملوکیت میں تبدیل ہو گیا۔ اسی طرح عثمانی خلافت کو بھی ملوکیت ہی کا عہد حکومت کہا جائے گا۔ چنانچہ اگر ہم دنیا میں پھر سے خلافت کا نظام قائم کرنے چلے ہیں تو اس کی وضاحت ضروری ہے کہ اس کے اصول کیا ہوں گے۔ اگرچہ اس پہلو سے اس میں بعض علمی باتیں بھی آتی ہیں‘ پھر بھی ہمیں ان سب باتوں کو سمجھنا ہے تاکہ پہلے خود ہمارے‘ ہمارے ساتھیوں اور احباب کے ذہن صاف اور واضح ہوں‘ تبھی ہم دوسرے لوگوں کے خدشات بھی دُور کر سکیں گے‘ تبھی چراغ سے چراغ روشن ہو گا۔ میں آج اپنی بات دس نکات کی شکل میں پیش کر رہا ہوں کہ خلافت راشدہ کا دَورِ اوّلین کیا تھا! اب اس نظام کی کیا شکل ہو گی؟

(۱) اللہ کی حاکمیت اور قرآن و سُنّت کی بالادستی

سب سے پہلا نکتہ دراصل نظامِ خلافت کا اصل تقاضا ہے‘ یعنی یہ طے کر دیا جائے کہ حاکمیت کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اس کے برعکس جمہوریت اس اعتبار سے ایک ملعون نظام ہے کہ اس میں حاکمیت کا اختیار عوام کو حاصل ہوتا ہے اور یہی چیز کفر ہے‘ شرک ہے‘ اس لئے کہ ؎

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

اس سے پہلے جمہوریت کے ساتھ اسلام کا لاحقہ لگا کر ہم اسے اسلامی

جمہوریت کہتے رہے ہیں' لیکن جمہوریت میں عوام کی حاکمیت کا بیج اتنا گہرا پڑا ہوا ہے کہ اسے نکالنے کی لاکھ کوشش کریں لیکن پھر بھی نہیں نکلتا۔ علامہ نے جمہوریت کے اسی تصور کو بتانِ آزری سے تعبیر کیا۔ اسلام میں اللہ کے علاوہ کسی کو حاکمیت کا اختیار حاصل نہیں اور ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو "قراردادِ مقاصد" کی صورت میں پاکستان کے آئین میں طے کر دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی جدوجہد کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ قراردادِ مقاصد کی منظوری کے لئے مولانا شبیر احمد عثمانی کو یہ دھمکی بھی دینا پڑی کہ اگر دستور ساز اسمبلی قراردادِ مقاصد کو منظور نہیں کرے گی تو میں اسمبلی سے باہر جاکر عوام سے کہوں گا کہ مسلم لیگ نے مسلمانوں کے ساتھ دھوکا کیا ہے' یہ لوگ اسلام نہیں چاہتے' انہوں نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے دھوکہ بازی کے ذریعے مسلمانوں کے ووٹ حاصل کئے۔ اس دھمکی کے بعد دستور ساز اسمبلی سے قراردادِ مقاصد پاس ہوئی۔ اس قرارداد کو منظور کرانے کے لئے جماعت اسلامی نے بھی بڑی ہی منظم مہم چلائی جس کا پاکستان کے لوگوں نے ساتھ دیا تھا۔ جماعت اس وقت تک ایک سیاسی جماعت نہیں تھی اور براہِ راست مدمقابل کی حیثیت سے الیکشن کے میدان میں نہیں آئی تھی' اس لئے جماعت کی اس مہم کی پذیرائی کی گئی کہ یہ اسلام کی بات ہے' سیاست کی بات نہیں' یہ اقتدار کا کھیل نہیں ہے۔ بہرحال اس قرارداد کی منظوری میں جس کا جتنا ہاتھ ہے' جس کی جتنی کوشش ہے اللہ تعالیٰ ان سب کو اجر و ثواب سے نوازے۔ الحمدللہ اس قراردادِ مقاصد کی شکل میں ہمارے آئین میں خدا کی حاکمیت کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کی حاکمیت کی عملی صورت کیا ہو؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں عملاً تو موجود نہیں۔ اگرچہ وہ ہر جگہ موجود ہے لیکن درمیان میں غیب کا پردہ حائل ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا نفاذ درحقیقت کتاب و سُنّت کی غیر مشروط اور بلا استثناء بالادستی کے ذریعے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ دستور میں اگر کتاب و سُنّت کی

بالادستی طے کر دی جائے تو اس طرح اللہ کی حاکمیت کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے۔ مگر ہم نے اس پہلو سے بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ بڑی چالبازیاں کی ہیں' اللہ کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے اور اس کی سزائیں بھی ہمیں مل چکی ہیں اور مل رہی ہیں۔ ۱۹۷۱ء میں اسی جرم کی سزا کے طور پر پاکستان دولخت ہوا' ہندو کے ہاتھوں ہمارے ایک لاکھ جوان قیدی بنے' لیکن پھر بھی ہم ہوش میں نہ آئے۔ غنیمت ہے کہ یہ خطہ ابھی باقی ہے۔ تاہم اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی سے ہم باز نہ آئے تو ہو سکتا ہے کہ یہ خطہ بھی مختلف حصوں میں تقسیم ہو جائے۔ مشرقی پاکستان تو بنگلہ دیش بن کر ایک وحدت کی حیثیت سے موجود ہے' لیکن اگر خدانخواستہ اس مغربی حصے کو کچھ ہوا تو اس کے کئی ٹکڑے ہونے کا اندیشہ ہے۔ جب تک ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنی دھوکے بازی بند نہیں کریں گے' بحیثیت قوم شدید خطرے کی زد میں ہی رہیں گے۔

یہ دھوکے بازی کیا ہے؟ ہم نے دستورِ پاکستان میں یہ دفعہ رکھی کہ "قرآن و سُنّت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں ہو گی" لیکن اس دفعہ کو محض "راہنما اصول" (Directive Principle) کی حیثیت دی گئی نہ کہ "عملی ضابطہ" (Operative Clause) کی۔ گویا اصول کی حد تک کتاب و سُنّت کی بالادستی قبول ہے' مگر اس کی بنیاد پر عدالتوں میں کوئی معاملہ زیر بحث نہیں لایا جا سکتا تھا۔ ضیاء الحق مرحوم کے دورِ اقتدار تک یہ دھوکے بازی چلتی رہی' تاآنکہ ضیاء الحق نے ایک قدم آگے بڑھایا اور وفاقی شرعی عدالت قائم کر دی' جسے یہ اختیار دیا گیا کہ یہ عدالت جس قانون کو کتاب و سُنّت کے منافی سمجھے اسے کالعدم قرار دے دے۔ لیکن وفاقی شرعی عدالت کے معاملے میں ایک اور پہلو سے بہت بڑا دھوکہ یہ کیا گیا کہ اسے دو ہتھکڑیاں اور دو بیڑیاں پہنا دی گئیں۔ یعنی وہ نہ تو دستورِ پاکستان کے بارے میں اپنی رائے دے سکتی ہے اور نہ ہی عدالتی قوانین کا جائزہ لے سکتی ہے۔ پھر یہ کہ عدالت مالی قوانین کا جائزہ بھی نہیں لے سکتی اور حد یہ ہے کہ عائلی قوانین پر رائے دینے کی مجاز بھی نہیں۔ اس قدر پابندیاں اور جکڑبندیاں لگا کر شرعی عدالت بنانے

سے کیا کچھ حاصل ہو سکتا تھا؟ آج کے دَور میں مالیات اور اقتصادیات سب سے بڑی شے ہیں، لیکن ان میں بھی شریعت کا عمل دخل پسند نہیں کیا گیا۔ عائلی قوانین جو ہمارے تمدن کی جڑ اور بنیاد ہیں، وہ بھی شرعی عدالت کے دائرۂ اختیار سے ابھی تک باہر ہیں۔ البتہ مالی قوانین کے ضمن میں دس سال کی جو پابندی عائد کی گئی تھی وہ مدت گزرنے کے بعد یہ ہتھکڑی از خود کھل گئی ہے۔ چنانچہ وفاقی شرعی عدالت نے ۲۲ مالی قوانین کو سودی اور خلافِ اسلام قرار دے کر حرام قرار دے دیا ہے اور حکومت کو چھ ماہ کی مہلت دی گئی ہے کہ اس عرصے میں متعلقہ قوانین کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تشکیل دے سکے۔

ہماری قومی اسمبلی نے تو وفاقی شرعی عدالت کے اختیارات محدود کرنے سے بھی بڑا دھوکہ کیا ہے۔ وہ یوں کہ "نفاذِ شریعت ایکٹ" بھی منظور کر لیا اور ساتھ ہی ہر قسم کے سودی کاروبار کو جاری رکھنے کی سند بھی عطا کر دی گئی۔ اس فیصلے سے گویا بحیثیت قوم ہم نے اللہ کے ساتھ اعلانِ جنگ کر دیا۔ ہم تو حکمرانوں سے یہی کہہ سکتے ہیں کہ خدارا اللہ تعالیٰ کو دھوکہ مت دو۔ خدا کے لئے مسلمانوں کو دھوکہ مت دو۔ وزیراعظم نواز شریف نے نفاذِ شریعت ایکٹ کے اعلان کے ساتھ قوم سے دستور میں ضروری ترمیم کا وعدہ بھی کیا تھا مگر یہ وعدہ وفا ہونے کی نوبت آج تک نہیں آ سکی ہے۔ جب تک دستور میں یہ ترمیم نہیں ہوتی کہ کتاب و سُنّت کو پاکستان کے دستور اور نظام و قوانین سب پر بالادستی حاصل ہو گی اس وقت تک نفاذِ اسلام کی جانب نتیجہ خیز پیش رفت نہیں ہو سکتی۔ آئین میں کتاب و سُنّت کی بالادستی طے کر دی جائے تو یہ معاملہ اعلیٰ عدالتوں کے ذریعے طے ہوتا رہے گا کہ کون سا قانون یا ضابطہ خلافِ اسلام ہے اور کون سا نہیں۔ یہ اختیار اسمبلی کے ممبران کو بھی نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ ان کی عظیم اکثریت اَن پڑھ ہوتی ہے اور جو لوگ پڑھے لکھے ہیں، تعلیم یافتہ ہیں، وہ بھی مغربی تعلیم سے آراستہ ہیں، انہیں دین کا علم حاصل نہیں۔ چنانچہ یہ کام عدالت ہی کر سکتی ہے۔ وہاں علماء بھی اپنے دلائل پیش کریں، دانشور حضرات بھی

اپنی بات رکھیں' اس لئے کہ عدالت کی فضا تو سیاسی جلسے سے بہت مختلف ہوتی ہے' عدالت اَن پڑھ لوگوں کی پارلیمنٹ نہیں ہوتی۔ ایک بزرگ جو اَب فوت ہو چکے ہیں' وہ "پڑھے لکھے ان پڑھ" کی اصطلاح استعمال کیا کرتے تھے۔ ایک شخص نے ایک طرف ایم بی بی ایس کیا ہوا ہے' پی ایچ ڈی کی ڈگری کا حامل ہے' لیکن دوسری طرف دین کا ایک حرف بھی نہیں پڑھا تو اس حوالے سے وہ جاہل مطلق ہے' جبکہ اسمبلی میں تو "چٹے اَن پڑھ" بھی ہوتے ہیں جو زمینداری اور روڈیرا شاہی کی وجہ سے وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ شریعت کے حلال و حرام کا فیصلہ ایسے لوگوں کے حوالے نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) خلیفہ کا براہِ راست انتخاب

خلافت راشدہ کے عہد میں خلافت کا منصب مسلمانوں کے باہمی مشورے سے پُر کیا جاتا تھا۔ اس ضمن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خطبہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا یہ خطبہ مسند احمد رحمۃ اللہ علیہ میں بھی موجود ہے اور اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ ایک موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب یہ اطلاع ملی کہ کچھ لوگ اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں کہ اگر کسی وقت اچانک عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو جائے تو اس صورت میں ہم فوراً فلاں شخص کے ہاتھ پر بیعت کرلیں گے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حوالے سے مدینہ میں ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا : "لوگو! میں تمہیں ان لوگوں کی سازش سے خبردار کرنا چاہتا ہوں جو تمہیں تمہارے حق سے محروم کرنا چاہتے ہیں' اس لئے کہ خلیفہ کا انتخاب مسلمانوں کے باہمی مشورے سے ہی ہو سکتا ہے۔ اگر خلیفہ کے منصب کے لئے کسی شخص کی اچانک بیعت کرلی گئی تو وہ بیعت' بیعت ہی نہیں ہوگی۔" صحیح بخاری میں تو الفاظ یہ بھی ہیں کہ "جس کی بیعت کی گئی نہ اس کی کوئی حیثیت ہوگی اور نہ بیعت کرنے والے کی بیعت کی" ——— ایسے سب کے سب لوگ نااہل ہو جائیں گے۔ خلافت کا منصب اگر مِنْ غَيْرِ مَشْوَرَةِ الْمُسلمين (مسلمانوں کے مشورے کے بغیر) طے ہوا ہو تو ایسا فعل خلافِ اسلام ہوگا۔

یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ اُس وقت آج کی طرح بیلٹ بکس نہ تھے' انتخابات کا باقاعدہ نظام بھی موجود نہ تھا' تاہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین ایک درجہ بندی قائم تھی۔ اصحابِ بدر بھی معین تھے' عشرہ مبشرہ بھی معلوم و معروف تھے اور بیعت رضوان کے حوالے سے اصحابِ شجرہ بھی موجود تھے۔ اب اس طرح کی درجہ بندی موجود نہیں ہے۔ اسی طرح وہاں قبائلی نظام رائج تھا اور اس نظام میں ایک ایک آدمی سے رائے نہیں لی جاتی تھی' لیکن آج تمام مسلمان ایک ہی حیثیت کے مالک ہیں۔ اب تو مسلمانوں کے باہمی مشورے کی ایک ہی شکل ہے کہ خلیفہ کے براہِ راست انتخاب کے لئے تمام مسلمان' مرد بھی اور عورتیں بھی' اپنا ووٹ استعمال کریں اور اکثریتی ووٹ حاصل کرنے والا شخص خلیفہ کے منصب کا اہل ہو۔ اگرچہ بعض حضرات کا یہ موقف بھی سامنے آیا ہے کہ ووٹ دینے کا حق صرف اہل تقویٰ کو حاصل ہونا چاہئے' ووٹ دینے والا کم از کم نماز کا تو پابند ہو' لیکن آج کے دَور میں اس طرح کی سب باتیں غلط ہیں' اس لئے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو ہمیشہ کے لئے طے کر دیا کہ "اَلْمُسْلِمُ کُفْوٌ لِکُلِّ مُسْلِمٍ" یعنی مسلم فاسق ہو یا متقی ہو' دونوں کے قانونی حقوق یکساں ہوں گے۔ یہ بات جان لیجئے کہ اسلام کا قانون یہ ہے کہ تقویٰ اور فسق و فجور دونوں کا ثواب و عذاب آخرت سے متعلق ہے۔ اس دنیا میں سماجی سطح پر تمام مسلمان یکساں حیثیت کے حامل ہیں اور قانون کی سطح پر بھی تمام مسلمان باہم برابر ہیں۔ اس بات کو نہایت سادہ مثال سے سمجھئے! ایک باپ کے اگر دو بیٹے ہوں' جن میں سے ایک متقی ہو' تہجد گزار ہو اور دوسرا فاسق ہو اور نماز کے قریب بھی نہ پھٹکتا ہو' تب بھی دونوں کو وراثت میں ایک جیسا حصہ ملے گا۔ متقی کو زیادہ اور فاسق کو کم نہیں۔ اس بنیاد پر ووٹ کا حق ہر مسلمان کو حاصل ہے۔ یہی روحِ عصر بھی ہے اور آج کے دَور کا تقاضا بھی۔

پورے ملک کی سطح پر خلیفہ کا براہِ راست انتخاب ہو گا۔ اس اصول کو اختیار کرنے سے چھوٹے چھوٹے اور علاقائی وڈیرے غیر مؤثر ہو جائیں گے۔ لوگ لازماً

یہ دیکھیں گے کہ کون شخص خلیفہ کے منصب کی واقعی اہلیت رکھتا ہے۔ ہمارے عوام کے اندر شعور ہے چاہے ان کی اکثریت کا طرزِ عمل فاسق و فاجر لوگوں سے ہی مشابہت کیوں نہ رکھتا ہو۔ عوام خوب جانتے ہیں کہ اسلام کیا ہے اور کیا نہیں ہے' لہٰذا اس طریق کار کے تحت اپنی رائے کسی اہل تر شخص کے حق ہی میں دیں گے۔ البتہ یہ اصول طے کرنا پڑے گا کہ جو لوگ انتخابات کے لئے آگے آئیں' یہ چاہے خلیفہ کے منصب کا انتخاب لڑ رہے ہوں یا مجلس ملی یعنی پارلیمنٹ کا' ہر دو صورتوں میں ان کے کردار و اخلاق کی پوری چھان بین ضروری ہوگی۔ اس لئے کہ ایسے لوگ حرام خوری کرنے والے نہ ہوں' بد کردار نہ ہوں تب ہی بات بنے گی۔ میرے خیال میں ہر ووٹر کے لئے اس طرح کی شرائط عائد کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس طرح سے یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے اور عوام الناس کو حق رائے دہی حاصل ہو جاتا ہے۔

(۴) مخلوط قومیت کی نفی اور غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ

خلافت کے نظام میں اگلی بات غیر مسلموں کی حیثیت سے متعلق ہے۔ اسلامی ریاست میں غیر مسلم برابر کا شہری نہیں ہو سکتا' غیر مسلم ذمی ہو گا۔ ہمارے یہاں تو عجیب و غریب تماشے ہوتے رہے ہیں۔ ضیاء الحق نے مجلس شوریٰ بنائی تو اس میں مسلمان تو تھے ہی' ان کے ساتھ ساتھ ہندو' عیسائی اور پارسی بھی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ کیا ایسے ایوان کو مجلس شوریٰ کا نام دیا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! میں بھی غلطی سے اس شوریٰ کا رکن بن گیا تھا لیکن صرف دو مہینے کے بعد ہی میں نے اسے چھوڑ دیا۔ خلافت کے نظام میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ البتہ غیر مسلم رعایا کو ہر طرح کا تحفظ حاصل ہو گا۔ ان کی جان' عزت' آبرو اور مال کی حفاظت کی ذمہ دار اسلامی ریاست ہوگی اور اسی حوالے سے اسلامی ریاست کے غیر مسلم باشندوں کو "ذمی" کہا جاتا ہے۔ غیر مسلم رعایا کی جان بھی اتنی ہی محترم ہوگی جتنی کسی مسلمان کی محترم ہوتی ہے۔ ان کی عزت و آبرو بھی اتنی ہی محترم ہے جتنی کسی مسلمان کی' ان کی

جائیداد کی حفاظت کا اتنا ہی اہتمام ہو گا جتنا کسی مسلمان کی جائیداد کا اہتمام ہو گا۔ انہیں عقیدہ و عبادت کی مکمل آزادی حاصل رہے گی' ان کی عبادت گاہیں اتنی ہی مقدس اور محترم ہوں گی جتنی خود مسلمانوں کی مسجدیں سمجھی جاتی ہیں۔ انہیں اپنے مذہب کی تبلیغ اپنی آئندہ نسلوں اور اپنی ہم عقیدہ قوم میں کرنے کا حق حاصل ہو گا' البتہ یہ لوگ مسلمانوں میں اپنے مذہب کی تبلیغ نہیں کر سکیں گے۔

پاکستان میں عیسائیت کو تیزی سے فروغ حاصل ہو رہا ہے اور اقلیتی رکن قومی اسمبلی جے سالک کے مطابق مسیحی آبادی ۷۵ لاکھ کے قریب پہنچ چکی ہے۔ اگرچہ یہ اعداد و شمار کسی بھی طرح صحیح نہیں ہیں لیکن پھر بھی عیسائیت کو پاکستان میں فروغ تو دیا جا رہا ہے۔ پوری دنیا میں عیسائیت کے فروغ کے لئے چندے آتے ہیں۔ عیسائی مشنریوں کے سالانہ بجٹ بعض ممالک کے بجٹ کی رقوم سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ جیسے لکڑی کو دیمک اندر ہی اندر چٹ کر جاتی ہے ویسے ہی ہمارے معاشرے میں عیسائیت کی تبلیغ ہو رہی ہے۔ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا جا چکا ہے لیکن اس کے باوجود قادیانیوں کی تبلیغ کا سلسلہ جاری ہے اور یہ سلسلہ پورے زور کے ساتھ اندر ہی اندر چل رہا ہے۔

اسلامی ریاست میں کوئی غیر مسلم رعایا برابر کے شہری کی حیثیت نہیں رکھتی' لہٰذا خلیفہ کے انتخاب میں یہ لوگ رائے دینے کے مجاز نہ ہوں گے۔ ایسے لوگ نہ تو مجلس شوریٰ کے رکن بن سکیں گے اور نہ اراکین شوریٰ کے انتخاب میں ووٹ دینے کے اہل ہوں گے۔ تیکنیکی نوعیت کی ملازمتوں میں ان لوگوں کے لئے راستہ کھلا ہو گا۔ چنانچہ طب کا شعبہ ہو یا انجینئرنگ کا میدان' ایسے شعبہ جات میں ان کے لئے گنجائش ہو گی' لیکن جہاں تک قانون سازی اور پالیسی سازی کا تعلق ہے اس میں کسی غیر مسلم کو شریک نہیں کیا جائے گا۔ یہی نظام خلافت راشدہ کے عہد میں رائج تھا اور اب بھی یہی اصول کارفرما ہو گا۔

ایسے لوگوں سے ﴿ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ ﴾ کے مصداق جزیہ لیا

جائے گا۔ "جزیہ" کوئی گالی نہیں ہے بلکہ قرآنی اصطلاح ہے۔ جزیہ کا لفظ جزا سے بنا ہے جبکہ ذمّی ذمہ سے بنا ہے۔ میری اس بات کو ایک مثال سے سمجھئے۔ خلافت راشدہ کے دَور میں جہادِ اسلامی کا فریضہ جاری تھا۔ اسی دَوران شام کا ایک شہر مسلمانوں کے قبضے میں آگیا تو متعلقہ حکام نے وہاں کے باشندوں سے جزیہ کی رقم وصول کرلی۔ جزیہ کی وصولی کے بعد ایسی صورتِ حال بن گئی کہ مسلمانوں کو یہ شہر چھوڑنا پڑ رہا تھا' دفاعی اقدام کے طور پر اسے خالی کرنا ضروری تھا۔ اس موقع پر اسلامی افواج کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم رعایا کو بلایا اور ان کی پوری رقم یہ کہہ کر واپس کردی کہ ہم نے آپ لوگوں سے آپ ہی کی حفاظت کے معاوضے کے طور پر "جزیہ" کی صورت میں رقم لی تھی' لیکن اب چونکہ ہمیں اس شہر کو چھوڑنا پڑ رہا ہے اور ہم آپ لوگوں کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لے سکتے لٰہذا جزیہ کی یہ رقم واپس کی جاتی ہے۔ اس موقع پر وہاں کی عیسائی آبادی دھاڑیں مار مار کر رونے لگی کہ ایسے راست باز اور بااخلاق لوگ تو ہم نے آج تک دیکھے ہی نہیں۔ ہمارے حاکم تو ظالم تھے' لیکن مسلمانوں کی دیانت کا یہ عالم ہے کہ جزیہ کی رقم بھی واپس کردی گئی ہے۔ اسلامی ریاست میں ہندو' عیسائی' قادیانی اور پارسی وغیرہ سب کو اپنی حفاظت کے عوض حکومت کو ایک ٹیکس ادا کرنا ہوگا' اس ٹیکس کا نام "جزیہ" ہے۔ اب ہمیں اپنے اندر ایسی جرأت پیدا کرنا ہوگی کہ اس طرح کی باتیں ہم ڈنکے کی چوٹ پر کہہ سکیں اور روایتی معذرت خواہانہ اندازِ فکر کو ترک کردیں۔

(۴) نظامِ صلوٰۃ کا قیام

چوتھی چیز نماز کے نظام کا قیام ہے۔ آپ کہیں گے کہ نماز کا نظام تو اب بھی قائم ہے۔ تو حقیقت یہ ہے کہ اس وقت نماز کا نظام قائم نہیں ہے۔ اس لئے کہ اسلام میں دوئی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود مسجد نبوی ؐ کے خطیب اور امام بھی تھے اور یہی معاملہ خلفاءِ راشدین کا ہے۔ اسی طرح درجہ بدرجہ تمام عامل (گورنر' کمشنر وغیرہ) نمازِ جمعہ کی امامت کا فریضہ بھی ادا کرتے تھے اور مملکت

کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے۔ حنفی فقہ کے مطابق حکومت کی اجازت کے بغیر کوئی شخص جمعہ نہیں پڑھا سکتا۔ نمازِ پنجگانہ کا اہتمام عام مساجد میں ہر کوئی کر سکتا ہے اور پڑھا بھی سکتا ہے، مگر جامع مساجد کا انتظام حکومت کی اجازت اور نظم کے تحت ہی قائم ہو سکتا ہے۔ آج کی طرح کا معاملہ نہیں کہ چلتا پھرتا کوئی آدمی لا کر مصلے پر کھڑا کر دیا اور اسے امام کہہ دیا۔ ایسے تصورِ دین ومذہب پر علامہ اقبال نے پھبتی چست کی تھی ۔

قوم کیا چیز ہے، قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بے چارے دو رکعت کے امام

ان کی جو عزت معاشرے میں ہے وہ ہم سب کو معلوم ہے۔ دیہات کی مسجد کا مولوی زمیندار کے "کمی" سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اور شہروں کے اندر مولوی حضرات انتظامیہ کمیٹی ہی کے دست نگر ہوتے ہیں۔ ہاں چالاک اور ذہین و فطین لوگوں کے اس حوالے سے بڑے ٹھاٹھ کے دھندے ضرور چل رہے ہیں۔ تاہم ان ائمہ اور خطباء میں بہت سے متقی، پرہیز گار اور خدا ترس بھی ہیں۔ نظامِ خلافت کے تحت پوری ریاست کی سطح پر نماز کا نظام قائم ہو گا اور خلیفۂ وقت دار الخلافہ کی جامع مسجد کا خطیب و امام خود ہو گا۔ صوبائی صدر مقامات اور درجہ بدرجہ دیگر جگہوں پر بھی اسی طریقے سے نماز کا اہتمام ہو گا۔

⑤ زکوٰۃ کی کامل تنفیذ

زکوٰۃ کے شرعی فریضے کو بھی ہم نے بہت زیادہ بدنام کر رکھا ہے اور بدقسمتی سے ضیاء الحق مرحوم کے زمانے میں اس ضمن میں جو قدم اٹھایا گیا اس نے زکوٰۃ کو مزید بدنام کر دیا۔ زکوٰۃ کا اصل مقصد ہے کیا؟ اسے سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ زکوٰۃ کا اسلام کے معاشی شعبے میں بہت اہم حصہ ہے۔ ہر شہری کی بنیادی ضروریات کی کفالت اسلامی ریاست کی اولین ذمہ داری ہے۔ کوئی شخص بھوکا رہتا ہے تو اس کی ذمہ داری ریاست پر عائد ہوتی ہے۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ "اگر دریائے فرات کے کنارے پر کوئی کتا بھی بھوکا مر گیا تو قیامت کے دن اس کی جواب دہی عمر(ؓ) سے ہوگی" معلوم ہوا کہ ہر شہری کے لئے روٹی' کپڑا' مکان' لباس اور تعلیم جیسی بنیادی ضروریات کی فراہمی بھی ریاست کے ذمے ہے۔ کبھی ذوالفقار علی بھٹو نے بھی روٹی' کپڑے اور مکان کا نعرہ لگایا تھا' لیکن وہ محض ایک نعرہ ہی تھا۔ سیاسی اختلافات کی وجہ سے اس نعرے کے خلاف ۳۱۳ علماء کے فتوے بھی جاری ہو گئے تھے۔ جاننا چاہئے کہ روٹی' کپڑا اور مکان کا نعرہ کافرانہ نعرہ نہیں ہے' بلکہ یہ چیزیں انسان کی بنیادی ضروریات میں داخل ہیں اور ان کا حصول ہر شہری کا حق ہے۔ اگر آپ اسلام کا نظامِ خلافت قائم کرنے کی بات کرتے ہیں تو یہ ذمہ داری آپ کو نبھانی پڑے گی کہ کوئی شہری روٹی' کپڑے اور مکان جیسی بنیادی ضروریات سے محروم رہا تو خلافت کا حق ادا نہیں ہو گا۔ قول و عمل میں تضاد جلد ہی لوگوں کے سامنے آجاتا ہے۔ چنانچہ بھٹو کی وڈیرہ شاہی جلد ہی سامنے آگئی۔ اسے تاریخ میں ایک بہت بڑا موقع حاصل تھا۔ وہ چاہتا تو جاگیرداری نظام کا خاتمہ کر سکتا تھا۔ دین کے ساتھ اس کا کوئی عملی تعلق نہیں تھا لیکن وہ اس ملک کا ماؤزے تنگ تو بن ہی سکتا تھا' مگر وہ اپنی جاگیردارانہ کھال سے باہر نہیں نکل سکا۔ تاہم جو نعرہ اس نے لگایا وہ صحیح تھا "کَلِمَةُ حَقٍّ اُرِیْدَ بِهِ الْبَاطِل" کے مصداق اس نعرے سے وہ جو مقصد حاصل کرنا چاہتا تھا وہ کوئی اور تھا۔

سوال یہ ہے کہ ہر شہری کی بنیادی ضروریات پوری کرنا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے تو اسلامی ریاست یہ سب کچھ کیسے فراہم کرے گی؟ نظامِ خلافت ہر شہری کو بنیادی ضروریات کہاں سے فراہم کرے گا؟ یہ سب کچھ زکوٰۃ کی مدد سے پورا ہو گا۔ بھٹو نے روٹی' کپڑا اور مکان کا نعرہ لگایا اور اس تصور کو بدنام کر دیا' اسی طرح ضیاء الحق نے زکوٰۃ کو بدنام کر دیا کہ صرف بینک ڈیپازٹ میں سے زکوٰۃ کاٹی جائے گی۔ یعنی سود میں سے زکوٰۃ کاٹ لو' نجاست میں سے نجاست کو منہا کر لو' اس لئے کہ بینک ڈیپازٹ پر لوگوں کو سود ملتا ہے اور یہی سود سب سے بڑی نجاست اور گندگی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ انسانی فضلہ بھی اس قدر گندگی کا حامل نہیں ہے جس قدر گندگی کا حامل سود ہے۔ جتنا بڑا جرم اور گناہ سود ہے اتنا بڑا دوسرا کوئی جرم نہیں' اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا : ((اَلرِّبَا سَبْعُوْنَ جُزْءً اَیسرُھا اَنْ یَّنْکِحَ الرَّجُلُ اُمَّہٗ)) یعنی سود کے گناہ کے ستر حصے ہیں اور اس کا ہلکا ترین حصہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کا ارتکاب کرے۔ تو اس غلاظت میں سے آپ نے ڈھائی فیصد شرح سے نجاست منہا کرلی اور اسے زکوٰۃ کا نام دے دیا تو کیا زکوٰۃ کا نظام قائم ہو گیا؟ حالانکہ بعض علماء کے نزدیک بینک ڈیپازٹ اموالِ باطنہ کی ذیل میں آتا ہے اور اموالِ باطنہ پر حکومت جبراً زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتی۔ یہی موقف مولانا مفتی محمود کا تھا اور اموالِ باطنہ اور اموالِ ظاہرہ کے مسئلے پر بحث و تمحیص کے دَوران ہی مفتی صاحب کراچی میں قائم بنوری ٹاؤن کے مدرسے ہی میں انتقال کر گئے۔

حکومت اموالِ ظاہرہ پر جبراً زکوٰۃ وصول کر سکتی ہے جس میں مالِ تجارت سر فہرست ہے اور مالِ تجارت کی کل مالیت پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے نہ کہ منافع پر۔ کاروبار میں نفع ہو یا نقصان اس سے کوئی بحث نہیں' حاضر مال پر زکوٰۃ ادا کرنا پڑے گی۔ اسی طرح کارخانوں اور فیکٹریوں کا معاملہ ہے۔ کارخانوں کی زمین' ان کی عمارت' ان کی مشینری' کارخانے کے اوزار اور آلات سب زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوں گے' لیکن کارخانے میں تیار مال اور خام مال دونوں کی مالیت کو جمع کر کے ڈھائی فی صد کے حساب سے زکوٰۃ وصول کرلی جائے گی۔ زکوٰۃ کے اس نظام سے اس مد میں اس قدر روپیہ جمع ہو جائے گا کہ ریاست ہر شہری کی بنیادی ضروریات کی فراہمی کا ذمہ لے سکتی ہے۔ اور وہ وقت بھی آ سکتا ہے جب لوگ اپنے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ لئے لئے پھریں گے لیکن اسے لینا والا کوئی نہ ہو گا جیسے خلافت راشدہ کے دَور میں ہوا تھا۔ آج دنیا میں کافروں نے یہ سب کچھ کر دکھایا ہے کہ وہاں ویلفیئر کا نظام بہت ہی مضبوط بنیادوں پر استوار ہے جو ہر بے روزگار' معذور اور مجبور شہری کی کفالت کا ضامن ہے۔ یہاں بھی ہر صاحب نصاب مسلمان زکوٰۃ دینے کے لئے تیار ہے لیکن

آپ انکم ٹیکس کی لعنت کا خاتمہ تو کریں' دوسرے لعنتی قسم کے ٹیکس بھی ختم کر دیں۔ نظامِ خلافت کے تحت زکوٰۃ کا جو نظام قائم ہوگا اس میں ان تمام ٹیکسوں سے لوگوں کو نجات حاصل ہو جائے گی۔ انکم ٹیکس کے نظام نے ہر کاروباری آدمی کو جھوٹا اور بے ایمان بنا دیا ہے' اس لئے کہ اسے غلط گوشوارہ داخل کرنا پڑتا ہے' ورنہ کاروبار کی بساط تہہ کرنا پڑتی ہے۔ آدمی جب ایک دفعہ کسی معاملے میں جھوٹ بولتا ہے' چاہے مجبوراً ہی سہی' پھر جھوٹ اس کی زندگی میں داخل ہو جاتا ہے اور ہر معاملے میں جھوٹ کی حکمرانی قائم ہو جاتی ہے۔

(۶) سود کا کامل انسداد

نظامِ خلافت میں سود کے کامل انسداد کے ذریعے معیشت کی تطہیر کی جائے گی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ سود کو بھی چھوڑ دو اور جس چیز میں سود کا شائبہ بھی پایا جاتا ہو' اسے بھی چھوڑ دو۔ دَورِ ملوکیت میں بہت سی غلط چیزوں کے جواز کا فتویٰ دے دیا گیا تھا' جیسے ادھار مال کی فروخت پر زائد بھاؤ لگنا جائز سمجھا جاتا ہے' حالانکہ یہ سود ہی کی شکل ہے۔ اگر یہ سود نہیں تو سود اور کس بلا کا نام ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے فرد کو ایک سو روپیہ قرض دے اور دس روپے کا اضافہ مانگے تو یہ سود ہے' لیکن اگر سو روپے کی کوئی شے ادھار بیچے اور اس کے ۱۱۰ روپے وصول کرے تو یہ سود نہیں تو اور کیا ہے؟ سینیٹر حافظ حسین احمد کا بیان آپ لوگوں نے بھی اخبارات میں پڑھا ہوگا جس میں انہوں نے اپنے اس خدشے کا اظہار کیا ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کی وجہ سے اب حکومت سود ہی کو سندِ جواز عطا کرنے کی کوشش کرے گی۔ یعنی بیع مؤجل اور بیع مرابحہ کی آڑ میں سود کو جائز قرار دلوانے کی کوشش ہوگی۔ اس موضوع پر مفتی سیاح الدین کاکاخیلؒ کا تفصیلی مضمون "حکمت قرآن" کے ماہ جنوری ۱۹۹۲ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے' تفصیل کے طالب حضرات کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

⑦ جاگیرداری نظام کا خاتمہ

ساتویں بات جاگیرداری کا سدباب ہے۔ میری گفتگو میں بار بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام آ رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں کو اس سے کچھ تکلیف بھی محسوس ہوتی ہو کہ انہیں ہر معاملے میں عمر رضی اللہ عنہ ہی نظر آتے ہیں۔ اس کی بھی ایک وجہ ہے' اور وہ یہ کہ اسلامی نظامِ خلافت کی برکات پوری طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں ہی ظاہر ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں انقلابی جدوجہد کا مرحلہ سر کیا جا رہا تھا' ہر طرف جہاد و قتال کے معرکے برپا تھے' جبکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہر چہار طرف سے فتنہ پرور عناصر کھڑے ہو گئے تھے۔ یہ لوگ مانعین زکوٰۃ کی شکل میں بھی سامنے آئے اور جھوٹے مدعیان نبوت کی صورت میں بھی ظاہر ہوئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مختصر عہد حکومت ان سازشوں کو ختم کرنے ہی میں ختم ہو گیا۔ خلافت راشدہ کے نظام کا پھول پوری طرح دَورِ فاروقی رضی اللہ عنہ میں کھلا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے پہلے دس برس بھی اسی شان و شوکت کے حامل تھے جس میں خلافت راشدہ کی برکات اپنے عروج پر نظر آتی تھیں۔ چنانچہ جاگیرداری نظام کے خاتمہ کے ضمن میں بھی حضرت عمرؓ کا اجتہاد فیصلہ کن امر بن کر سامنے آتا ہے۔ عہد فاروقیؓ میں مسلمان افواج نے عراق' مصر اور شام جیسے علاقے بھی فتح کر لئے تو مجاہدین نے حسب دستور مفتوحہ زمینوں کی تقسیم کا مطالبہ کیا کہ یہ اراضی مالِ غنیمت ہے۔ غنیمت کے مال کی تقسیم کا یہ قانون ہے کہ پانچواں حصہ ریاست یعنی بیت المال کا ہوتا ہے اور باقی مجاہدین میں تقسیم ہوتا ہے۔ حضرت عمر نے مفتوحہ زمینوں کا فیصلہ شوریٰ کے سامنے رکھا۔ بڑی طویل بحث و تمحیص اور ردّ و قدح کے بعد طے ہوا کہ مفتوحہ اراضی پر مالِ غنیمت کا قانون لاگو نہیں ہو گا بلکہ اس پر مالِ فے کے مصارف کا اطلاق ہو گا۔ اس بناء پر تمام تر اراضی بیت المال کی ملکیت قرار پائیں اور ان کا خراج براہِ راست بیت المال میں پہنچنے لگا اور یہی خراج تمام مسلمانوں کی اجتماعی بہبود پر خرچ ہوتا رہا۔ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اگر اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ اراضی مجاہدین میں تقسیم کر دیتے تو بدترین قسم کا جاگیردارانہ نظام لازماً قائم ہو جاتا۔

جس طرح زکوٰۃ کے ضمن میں مَیں نے آپ حضرات کے سامنے اموالِ ظاہرہ اور اموالِ باطنہ کی دو تقسیمیں رکھی ہیں ویسے ہی اراضی کے ضمن میں عشری اراضی اور خراجی اراضی کی دو اقسام ہیں۔ جو علاقے کسی بھی وقت مسلمانوں نے بزورِ شمشیر فتح کئے ہوں ان کی زمینیں قیامت تک کے لئے خراجی قرار پاتی ہیں۔ پاکستان کی اکثر و بیشتر اراضی بھی خراجی ہیں۔ پاکستان کی زمینیں کسی شخص کی ملکیت نہیں ہیں' کسی کے باپ کی جاگیر نہیں ہیں۔ یہ جاگیریں انگریز حکمرانوں نے اپنے حواریوں اور کاسہ لیسوں کو مسلمانوں سے غداری کے عوض انعام میں دی تھیں' لہٰذا جاگیرداروں اور زمین داروں کا حق ملکیت از خود ساقط ہو جاتا ہے۔ نظامِ خلافت میں ہمیں ایک نیا بندوبست اراضی تشکیل دینا ہوگا تاکہ زمین کے سینے کو چیرنے والے اور اس میں اپنا خونِ جگر دینے والے کاشتکار کو بھی اس کی محنت کا معاوضہ مل سکے! یہ کاشتکار' یہ کسان' یہ ہاری سب کے سب حیوانوں کی سطح پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ کبھی کمیونزم کے سرخ سویرے کی طرف دیکھتے ہیں اور کبھی کوئی دھوکہ باز کوئی اور سبز باغ دکھا کر انہیں اپنے پیچھے لگا لیتا ہے۔ اس معاملے میں بھی اصل جرم ہمارا ہے کہ اسلام نے جو حل دیا ہے اسے ہم اختیار نہیں کرتے' لہٰذا یہ لوگ پھر چار و ناچار کسی دوسرے "ازم" کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ بہرحال جاگیرداری کا سدباب حضرت عمرؓ نے اپنی بے پناہ بصیرت کی بناء پر کر دیا تھا اور آج بھی اسی اجتہاد کو بنیاد بنا کر ہم موجودہ زمینداری نظام کو ختم کر سکتے ہیں۔

⑧ شراب اور جوئے پر پابندی

نظامِ خلافت میں شراب اور جوئے پر مکمل پابندی عائد ہو گی کہ یہ چیزیں ﴿ رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّیۡطٰنِ ﴾ کے قبیل سے تعلق رکھتی ہیں۔ لاٹری سیف گیم ریفل کے نام سے ہو یا فاطمید ریفل ٹکٹ کے نام سے' یہ سب جوا ہے اور شیطانی دھندہ ہے۔ لاٹری کی شکل میں جوئے کی یہ لعنت بھی ہماری گھٹی میں پڑی ہوئی ہے جس سے

ہمیں چھٹکارا حاصل کرنا ہو گا۔ انگریز جس طرح سود کی لعنت کو ہمارے گلے کا ہار بنا گیا تھا ویسی ہی خباثت جوئے کی شکل میں بھی چھوڑ گیا ہے۔

شراب اور جوئے کو قرآن مجید میں ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ وہ اس لئے کہ یہ دونوں اشیاء انسانوں کو محنت سے دُور بھگا دیتی ہیں۔ شراب کے نشے میں دھت انسان حقائق کا سامنے کرنے کی بجائے ان سے گریز کی راہ اختیار کرتا ہے اور جوا محنت کی بجائے داؤ کھیلنے کی ترغیب ہی کا دوسرا نام ہے۔ دراصل یہ دونوں چیزیں انسانی شرافت اور وقار کے منافی ہیں۔ حقائق کا دلیری کے ساتھ سامنا کرنا ہی اصل مردانگی ہے اور محنت ہی انسان کا اصل زیور ہے۔

(۹) مکمل سماجی اور قانونی مساوات

نظامِ خلافت میں کامل انسانی مساوات کا تصور کار فرما ہو گا۔ تمام انسان برابر سمجھے جائیں گے' نہ کوئی اونچا ہو گا اور نہ کوئی نیچا۔ اسلامی معاشرے میں کوئی سید اونچا اور کوئی مصلی نیچا نہیں۔ ایسے تمام تصورات کو ختم کرنا ہو گا اور ان کی جڑیں کھودنا ہوں گی' اس لئے کہ اسلام میں اونچ نیچ کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو سیدنا بلال کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔

اسی طرح قانون کی نظر میں سب لوگ برابر ہوں گے۔ اسلام کے عدالتی نظام میں یہ تصور موجود نہیں ہے کہ سربراہِ مملکت یا خلیفۂ وقت عدالت میں حاضری سے مستثنیٰ ہے۔ یہ تو خیر اتنی انہونی بات نہیں ہے۔ لیکن نظامِ خلافت میں دنیا نے یہ بھی دیکھا کہ مطلوبہ گواہوں کی عدم دستیابی کے باعث خود خلیفۂ وقت کا مقدمہ عدالت سے خارج کر دیا گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقدمہ قاضی شریحؒ کی عدالت میں زیر سماعت تھا اور یہ مقدمہ اس لئے خارج ہو گیا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس غلام اور بیٹے کی گواہی کے علاوہ کوئی دوسری شہادت موجود نہ تھی' اور یہ شہادتیں اسلام کے قانونِ شہادت کے مطابق قابل قبول نہ تھیں۔ لہٰذا مقدمہ خارج ہو گیا۔ اسلام کے اس قدر بے لاگ انصاف کو دیکھ کر شریک مقدمہ یہودی اسلام لے آیا۔ چنانچہ

سربراہِ مملکت کو حاصل خصوصی تحفظات ہوں یا ممبران اسمبلی کا استحقاق ہو' یہ سب غیر اسلامی چیزیں ہیں۔ اسلام میں خلیفہ کو بھی کوئی خصوصی تحفظ یا مقامِ امتیاز حاصل نہیں ہے۔

البتہ اگر یہ ضرورت محسوس ہو کہ کہیں بد معاش قسم کے لوگ ہر وقت خلیفہ کو مقدمے بازی ہی میں نہ پھنسائے رکھیں تو سدباب بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس معاملے میں حد قذف پر قیاس کرتے ہوئے اس طرح حل کیا جا سکتا ہے کہ خلیفۂ وقت پر جھوٹا اور غلط مقدمہ دائر کرنے والے شخص کو بھی سزا دینے کا قانون بنا دیا جائے۔

(۱۰) مخلوط معاشرت کا سدباب

اس ایک بات میں سو باتیں جمع ہیں۔ اسلام کے سماجی نظام میں عورتوں اور مردوں کا دائرۂ کار علیحدہ اور جدا ہے۔ عورتوں کا جسمانی نظام بھی مردوں سے مختلف ہے اور نفسیاتی ساخت بھی جدا ہے' لہٰذا دونوں اصناف کی ذمہ داریاں جدا ہیں' حال کا معاملہ مردوں کے حوالے اور قوم کا مستقبل عورتوں کے حوالے ہے' کیونکہ نئی نسل کی پرورش اور تربیت ہی تو مستقبل ہے۔ عورت کے لئے حمل کا زمانہ' بچے کو دودھ پلانے کا عرصہ اور پھر اس کی نگہداشت کیا یہ سب کچھ غیر اہم اور غیر پیداواری کام ہیں کہ اسے شمع محفل بنائے بغیر چارہ نہیں۔ اقبال نے کہا تھا ؎

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

اے مسلمان خاتون! تُو اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جیسا کردار اختیار کر لے تو تیری گود میں حسن اور حسین رضی اللہ عنہما جیسے پھول کھلیں گے۔ چنانچہ ہمیں ایسی خواتین درکار ہیں' ایسی ماؤں کی ضرورت ہے' ایسی بہنوں کی ضرورت ہے' ایسی ہی بیویوں کی ضرورت ہے۔ ہمیں ہر جائی خواتین کی کوئی ضرورت نہیں۔ نظامِ خلافت میں خواتین اور مردوں کے دائرہ ہائے کار علیحدہ علیحدہ ہوں گے' اس لئے کہ یہ آگ اور پانی کا میل ہے۔ ہمیں مخلوط معاشرت کا مکمل خاتمہ کرنا ہو گا۔ سکولوں سے لے کر

یونیورسٹی تک ہر جگہ تعلیمی ادارے الگ الگ ہوں۔ خواتین کے تعلیمی اداروں میں خواتین ہی پڑھنے والی ہوں اور خواتین ہی پڑھانے والی' اور دوسرا تمام عملہ بھی خواتین ہی پر مشتمل ہو۔ اسی طرح کا معاملہ ہسپتالوں کا بھی ہے۔ عورتوں کے ہسپتال میں خواتین ہی نرسیں ہوں' خواتین ہی ڈاکٹر ہوں اور خواتین ہی ملازم ہوں' جبکہ مردوں کے ہسپتالوں میں مرد ڈاکٹر اور مرد نرسیں (Male Nurses) ہوں۔ اسی طرح کا معاملہ صنعتی اداروں میں بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ اگر ارادہ ہو' ایمان ہو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی دی ہوئی تعلیم پر یقین کامل ہو تو ہر شے ممکن ہے' ہر مسئلہ حل کیا جا سکتا ہے۔

روحِ عصر کا تقاضا

آخری بات اگرچہ نظامِ خلافت سے متعلق نہیں ہے لیکن یہ چیز روحِ عصر کا تقاضا ہے۔ ہم یہ بات کہتے ہیں کہ خلیفہ ایک ہی ہو اور خلیفہ مجلس شوریٰ کی اکثریت کا محتاج نہ ہو۔ یہ نہیں ہو گا کہ وہ ہر وقت ادھر سے ادھر پھدکنے والے مینڈکوں کو ہی سنبھالتا رہے۔ آج کی دنیا میں رائج الوقت صدارتی نظام میں منتخب ہونے والے سربراہِ مملکت کو مقررہ مدت تک کام کرنے کا پورا موقع دیا جاتا ہے۔ وہ کسی کانگریس یا پارلیمنٹ کا محتاج محض نہیں ہوتا۔ یہ باتیں مغرب نے اسلام ہی سے سیکھی ہیں' اگرچہ ہم خود اِن اوصاف سے محروم ہیں۔ چنانچہ علامہ اقبال نے فرمایا تھا ؎

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا زِ نورِ مصطفیٰؐ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰؐ است

یعنی اس دنیا میں جہاں کہیں کوئی خیر اور بھلائی کی روشنی نظر آتی ہے وہ یا تو براہِ راست حضور ﷺ کا عطیہ ہے یا ابھی انسانیت اس نور کی تلاش ہی میں سفر کر رہی

ہے' قافلۂ انسانی کا رُخ اس طرف ہے اور وہ جلد یا بدیر ادھر ہی پہنچے گا۔ اس اعتبار سے ضروری ہے کہ موجودہ صوبوں کے معاملے کا بھی از سرنو جائزہ لیا جائے۔ پہلے ہی تین صوبے پنجاب کے بڑا ہونے پر شور مچاتے رہتے ہیں' حالانکہ بڑا بھائی ہونے کے ناطے پنجاب کو نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ سینٹ میں پنجاب کے بھی اتنے ہی نمائندے ہیں جتنے بلوچستان کے' حالانکہ بلوچستان کی کل آبادی لاہور شہر سے بھی آدھی ہے۔ اسی طرح پانی کی تقسیم کے معاہدے میں پنجاب کو نقصان پہنچا ہے۔ ہر جگہ بڑا بھائی ہی مار کھا رہا ہے لیکن واویلا پھر بھی یہی ہے کہ پنجابی ہمیں لوٹ کر کھا گئے۔ صدارتی نظام میں یہ احساس محرومی اور بڑھ جانے کا خطرہ موجود ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ صوبوں کی نئی تقسیم عمل میں لائی جائے اور چھوٹے چھوٹے صوبے تشکیل دیئے جائیں۔ یہ بات ضیاء الحق نے بھی کہی تھی اور اچھی بات کہی تھی۔ ملک کے خیر خواہ عناصر بھی یہی کہتے چلے آرہے ہیں کہ صوبے چھوٹے کر دیئے جائیں۔ ضیاء الحق مرحوم نے تو یہاں تک کہا تھا کہ پڑوسی ملک افغانستان کو دیکھو وہ آبادی کے لحاظ سے ہمارا پانچواں حصہ ہے لیکن صوبوں کے اعتبار سے ہم سے بارہ گنا بڑا ہے۔ افغانستان کے پچاس صوبے ہیں جب کہ اس کی آبادی صرف دو کروڑ ہے' لہٰذا یہاں پر بھی چھوٹے چھوٹے صوبے بنائے جائیں۔ نئی صوبائی تقسیم میں لسانی اور جغرافیائی عوامل کو بھی مد نظر رکھا جائے اور ایک کروڑ کی آبادی سے زیادہ کوئی صوبہ نہ ہو۔ مولانا عبدالستار نیازی صاحب نے بھی نئی صوبائی تشکیل کی بات ارشاد فرمائی اور صحیح فرمائی ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ صوبے چھوٹے ہوں اور انہیں زیادہ سے زیادہ اختیارات دیئے جائیں۔

موجودہ دَور میں احیائے خلافت کا طریق کار

خلافت کا نظام کیا تھا اور اب کیسا ہوگا؟ میں نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس کے بغیر بات آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ نظام اب قائم کیسے ہو؟ ایک قول مولانا ابوالکلام آزاد نے ہمیں یاد دلایا تھا جسے عموماً امام

مالکؒ کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے لیکن بعض محققین کے مطابق یہ قول حضرت ابو بکرؓ کا ہے۔ "لَا یَصْلُحُ اٰخِرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِلَّا بِمَا صَلُحَ بِہٖ اَوَّلُھَا" کہ اس امت کے آخری حصے کی اصلاح بھی اُسی طریق سے ہو سکتی ہے جس پر اس کے پہلے حصے کی اصلاح ہوئی۔ اس قول میں اوّل و آخر کا لفظ بڑا عجیب ہے۔ اوّل دَور خود حضور ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا دَور ہے' جسے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کہا جاتا ہے اور قیامت سے پہلے آخری دَور میں پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا نظام قائم ہو گا۔ اس قول سے یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ حضور ﷺ نے اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی جس طریقے سے قائم فرمایا تھا صرف اسی طریقے سے اب یہ نظام قائم ہو سکتا ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہر شخص اپنی ذات میں اللہ کا خلیفہ بنے' پھر اپنے گھر اور دائرۂ اختیار میں خلافت کا حق ادا کرے' اس کا تقاضا پورا کرے اور جو لوگ یہ دو مرحلے طے کر لیں انہیں بنیانِ مرصوص بنا کر ایک نظم میں پرو دیا جائے اور پھر یہی باطل کے ساتھ ٹکرا جائیں' میدان میں آکر منکرات کو چیلنج کریں اور اپنے سینوں پر گولیاں کھائیں کہ ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

ہم نہ تو توڑ پھوڑ کے قائل ہیں اور نہ ہی دنگا فساد کو صحیح سمجھتے ہیں' کسی کی املاک کو نقصان پہنچانا بھی ہمارا کام نہ ہو گا' ہم کسی پر گولی نہیں چلائیں گے بلکہ اپنے سینوں کو گولیوں سے چھلنی کروانے کے لئے کھول دیں گے کہ یا ہم نہیں یا کفر کا یہ نظام نہیں! لیکن یہ مرحلہ اس وقت آئے گا جب ہمارے پاس طاقت ہو گی۔ مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ بارہ برس تک بُتوں کے بارے میں کہتے رہے کہ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے' لیکن بُتوں کو توڑا نہیں' بلکہ آپؐ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت فرماتے رہے اور اپنی جمعیت کو بڑھاتے رہے' ان کا تزکیہ کرتے رہے۔ تب کہیں جا کر جہاد و قتال اور فتح و نصرت کے مراحل آئے۔ اور فتح مکہ کے دن حضور ﷺ نے پہلا کام ہی

بتوں کو توڑنے کا کیا کہ ﴿ جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴾ شریعت میں نہی عن المنکر کا اصول موجود ہے کہ جب تک طاقت حاصل نہیں ہے زبان سے منکرات اور حرام باتوں پر نکیر کی جائے' جیسے ہم اس وقت کر رہے ہیں۔ سود حرام ہے' جوا حرام ہے' بے پردگی اور فحاشی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سب باتوں کو ڈنکے کی چوٹ کہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اگر ہم حق بات نہیں کہیں گے تو حدیث کے مطابق ہماری حیثیت "گونگے شیطان" جیسی ہو گی۔ ہم اللہ کی توفیق سے حق بات کو بیان کرتے رہیں گے اور جب طاقت حاصل ہو جائے گی تو باطل نظام کو چیلنج کیا جائے گا کہ اب یہ سب کچھ ہم نہیں ہونے دیں گے۔ ایرانی انقلاب میں یہ طریقہ آزمایا جا چکا ہے۔ الیکشن میں ووٹوں کی بھیک مانگ کر آیت اللہ خمینی قیامت تک برسراقتدار نہیں آسکتے تھے' وہاں انقلاب نہیں آسکتا تھا۔ یہی طریقہ کار پاکستان میں اہل تشیع نے ضیاء الحق کے زکوٰۃ آرڈیننس کو منسوخ کرانے کے لئے استعمال کیا اور کامیابی حاصل کی۔ چنانچہ اہل تشیع کو زکوٰۃ کی ادائیگی سے مستثنیٰ کر دیا گیا اور یوں اہل سُنّت کو شیعہ بنانے کا راستہ کھول دیا گیا۔

احیائے خلافت اور پاکستان کا مستقبل

نظامِ خلافت کیسے قائم ہو گا؟ کس تدریج سے قائم ہو گا؟ رسول اللہ ﷺ نے بھی پہلے اسے سرزمین عرب میں قائم کیا' پھر وہ تدریج کے ساتھ آگے پھیلتا چلا گیا۔ اب بھی کسی ایک ملک سے ہی آغاز ہو گا۔ یہ کون سا ملک ہو گا! ہم حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن مسلمانوں کی گزشتہ چار سو سال کی تاریخ کے جائزے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کی سرزمین کو نظامِ خلافت کے احیاء کے لئے پسند فرمایا ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ گزشتہ چار سو سال کے دَوران عالم اسلام کی تمام بڑی شخصیات برعظیم پاک و ہند میں پیدا ہوئیں۔ اس کے علاوہ اس خطے میں بڑی عظیم دینی تحریکیں اٹھی ہیں۔ گیارہویں صدی ہجری میں مجدد اعظم شیخ احمد سرہندی

مجدد الف ثانی کی شخصیت' بارہویں صدی میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی جیسی جامع صفات شخصیت' تیرہویں صدی میں سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید اور ان کی تحریک شہیدین' چودھویں صدی میں مولانا حسن محمود حسن جیسی سیماب وش شخصیت اور دارالعلوم دیوبند کی عظیم تحریک' مولانا الیاس جیسا مبلغ دین اور تبلیغی جماعت' مولانا ابوالکلام آزاد جیسا داعیٔ قرآن' مولانا مودودی مرحوم جیسا بلند پایہ مصنف و داعی' علامہ اقبال مرحوم جیسا مفکر اور ترجمان القرآن ـــــ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسی برعظیم میں پاکستان جیسا ملک وجود میں آیا جو صرف اسلام کے نام پر قائم ہوا۔ یہ تمام واقعات محض اتفاقات قرار نہیں دیئے جا سکتے' بلکہ یہ اس بات کی جانب واضح اشارے معلوم ہوتے ہیں کہ اللہ کی حکمت میں اس علاقے کے لوگوں کو کوئی اہم کردار ادا کرنا ہے۔ ہم میں سے ہر مسلمان کی یہ خواہش اور آرزو ہونی چاہئے کہ یہ "رتبۂ بلند" ہمیں ملے' یہ سعادت ہمارے حصے میں آئے۔ لہٰذا ہمیں اس مقصد کے لئے کوشش کرنا چاہئے' احیائے خلافت کے لئے جدوجہد کرنا چاہئے۔ اس کے لئے' جیسا کہ میں نے عرض کیا' ایک جماعتی نظم ناگزیر ہے۔ ہم نے اسی محنت اور کوشش کے لئے تنظیم اسلامی قائم کی ہے۔ آپ لوگ اگر اپنا تن' من اور دھن لگانے کے لئے تیار ہوں تو آگے بڑھئے' ہمارے دست و بازو بنئے' تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کیجئے! لیکن اگر ابھی ارادہ اتنا قوی نہیں ہے تو تحریک خلافت کے منشور کو عوام میں زیادہ سے زیادہ پھیلانے میں ہمارا ساتھ دیجئے اور اس کے لئے تحریک خلافت کی معاونت اختیار کیجئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾

کہ نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو ـــــ اور گناہ اور زیادتی کے معاملات میں باہم تعاون مت کرو!!

اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ ○

افہام و تفہیم

نظام خلافت کے بارے میں سامعین کی جانب سے اٹھائے گئے بعض اہم سوالات اور داعی تحریک خلافت کے جوابات

سوال : اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس بات کی وضاحت کر دیں کہ کسی ملک میں پہلی دفعہ خلافت کیسے قائم ہو گی؟ انقلاب کے ذریعے قائم شدہ خلافت میں تمام لوگوں کی رائے اور مشورہ کیسے شامل ہو گا؟

جواب : دیکھئے جب بھی کبھی دنیا میں انقلاب آتا ہے تو پہلی گورنمنٹ انقلابی پارٹی ہی بناتی ہے۔ اس کے بعد اس کا جو ڈھانچہ ہو اور دستوری خاکہ وہ بنائے گی اس کے تحت الیکشن ہو جائیں گے۔ اس میں دو سال بھی لگ سکتے ہیں' تین سال بھی اور چار سال بھی لگ سکتے ہیں' یہ عبوری دَور ہو گا۔ اس اعتبار سے ذہن بالکل صاف ہونا چاہئے کہ انتخابی عمل کے ذریعے خلافت قائم نہیں ہو سکتی' اس کے لئے تو انقلابی عمل ناگزیر ہے جسے میں بار بار دہراتا ہوں تاکہ ذہنوں میں یہ بات راسخ ہو جائے اور اس کا عمومی طریقہ یہی ہے کہ کوئی منظم انقلابی پارٹی اس نظام کے قیام کے لئے منہاج محمدیؐ کے مطابق جدوجہد کرے۔

سوال : ڈاکٹر صاحب! خلافت کا مطلب صدارتی نظام تو نہیں؟

جواب : خلافت کا نظام صدارتی نظام سے قریب تر ہے' بلکہ صحیح تر الفاظ میں یہ کہنا چاہئے کہ صدارتی نظام خلافت کے نظام سے قریب تر ہے۔ میں یہ ہمیشہ سے کہتا آ رہا ہوں کہ پارلیمانی اور صدارتی دونوں نظام جائز ہیں۔ وحدانی (Unitary) نظام' وفاقی (Federal) اور کنفیڈرل (Confederal) نظام سب جائز ہیں' کنفیڈریشن کو بھی آپ حرام نہ سمجھئے۔ ہماری آج کتنی خواہش ہو گی کہ سابقہ مشرقی پاکستان کی اور ہماری کنفیڈریشن ہی ہو جائے! اگر آج پاکستان میں کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں کنفیڈریشن ہونی چاہئے تو آپ ان سے بات کریں' اس پر بحث کریں اور

دلائل دیں، لیکن اسے حرام تو نہیں کہہ سکتے۔

دنیا میں کئی سیاسی نظام چل رہے ہیں : وحدانی صدارتی، وفاقی صدارتی (جیسے امریکہ میں ہے جو وحدانی نہیں) کنفیڈرل صدارتی، پھر وحدانی پارلیمانی، وفاقی پارلیمانی اور کنفیڈرل پارلیمانی، یہ چھ کے چھ جائز ہیں۔ البتہ خلافت راشدہ سے قریب تر صدارتی نظام ہے۔ لیکن اس میں کیا قباحت ہے کہ یہ نظام ساتھ ساتھ وفاقی بھی ہو، پاکستان کے حالات میں جس کی زیادہ ضرورت ہے۔ ہمیں پسند ہو یا ناپسند، یہاں پر قومیتوں کا تصور اب پیدا ہو چکا ہے اور ہر قوم اپنا حق مانگتی ہے۔ اسے اپنی زبان عزیز ہے کہ سوائے عربی زبان کے کوئی دوسری زبان مقدس نہیں۔ "اردو شریف" آسمان سے نازل نہیں ہوئی، انسانوں ہی کی زبان ہے اور سندھی کوئی کافروں کی زبان نہیں۔ غیر عربی تفسیر سب سے پہلے سندھی زبان میں لکھی گئی۔ تہذیب کا اور اسلامی تعلیم کا سب سے بڑا مرکز سندھ تھا۔ ایک زمانے میں تین سو دارالعلوم سندھ کے ایک شہر ٹھٹھہ ہی میں تھے۔ یہاں کے محدثین نے حجاز میں جاکر حدیث پڑھائی۔ یہ کوئی معمولی بات ہے؟ اس اعتبار سے کوئی حرج نہیں ہے کہ صوبے لسانی بنیاد پر بھی بن جائیں۔ ہندوستان نے اسی بنیاد پر صوبوں کی نئی حد بندی کرلی، وہاں کتنی مضبوط جمہوریت ہے۔ وہاں پینتالیس برس کے اندر صرف دو سال ہی ہنگامی حالات کے گزرے ہیں نا! ورنہ ان کی آئینی حکومت ہی کا تسلسل چل رہا ہے۔ انہوں نے نئے لسانی صوبے بنالئے تو کیا کوئی حرام یا غلط کام ہو گیا؟

صدارتی نظام یقیناً خلافت کے نظام کے قریب تر ہے اور روحِ عصر کے مطابق وہ وفاقی صدارتی نظام ہے۔ وفاق کی اکائیوں کو کافی خود اختیاری حاصل ہونی چاہئے۔ اسی لئے ہمارا موقف ہے کہ صوبے زیادہ بنادو اور سب کو برابر برابر کردو تاکہ کسی کے غلبے کا اندیشہ ہی نہ رہے۔ اس معاملے کو اسی انداز میں سلجھایا جائے تو انشاء اللہ ایسے سب مسائل کا حل نکل آئے گا۔ چنانچہ ہمارا جو دس نکاتی پروگرام ہے اس میں دین کے نظام یا خلافت کے نظام میں ملکی حوالے سے بھی جو صورت

ہمارے لئے صحیح ترین ہو سکتی ہے' وہی ہمارے پیش نظر ہے۔

سوال : منصب خلافت کے امیدوار اپنے طور پر سامنے آئیں گے یا ان کی چھان بین اور ان کے لئے انتخابی مہم اسلامی نقشے پر ہو گی؟ صرف شکل و صورت میں شریعت ہو گی یا عمل میں بھی؟

جواب : ظاہر ہے کہ صرف شکل و صورت میں تو نہیں' شریعت عمل ہی میں درکار ہے اور سارا ہی اسلام ہم اسی طرح چاہتے ہیں۔ دستور میں طے ہو کہ ہر شے پر کتاب و سُنّت کی بالادستی ہے تبھی خلافت کہلائے گی' ورنہ تو خلافت ہے ہی نہیں۔

سوال : نظامِ خلافت میں حزبِ اختلاف کی حیثیت کیا ہو گی؟

جواب : پہلی بات تو یہ سمجھ لیجئے کہ نظامِ خلافت کے بارے میں یہ بھی مغالطہ ہے کہ وہ یک جماعتی (One party) گورنمنٹ ہوتی ہے۔ میں نے ابھی کہا ہے کہ اس زمانے میں پارٹیاں اس معنی میں نہیں تھیں' لیکن گروپ تو تھے : بنو امیہ' بنو ہاشم' اوس' خزرج وغیرہ۔ نظام قبائلی تھا۔ اب اس کی جگہ پارٹیوں کا نظام ہے جو حرام نہیں ہیں۔ یہ میں ضیاء الحق کے زمانے میں بھی کہتا رہا ہوں۔ انہوں نے غیر جماعتی الیکشن کرایا تو میں نے کہا تھا کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اسلام میں پارٹیوں کا جواز ہے۔ البتہ کسی پارٹی کے منشور میں کتاب و سُنّت کے خلاف کوئی بات ہوئی تو وہ خلافِ قانون قرار دے دی جائے گی' اس لئے کہ اس ملک کے دستور کے اندر کتاب و سُنّت کی بالادستی تسلیم کی گئی ہے۔ شریعت کی حدود کے اندر اندر ایک پروگرام آپ دیتے ہیں' دوسرا پروگرام کوئی اور دیتا ہے تو ٹھیک ہے' لوگوں کو دیکھنے کا موقع دیں کہ کون سا پروگرام زیادہ بہتر ہے۔ کتنے ہی مسائل ہیں جن پر ہر پارٹی کا پروگرام سامنے آنا چاہئے۔ مثلاً بجٹ میں اخراجات کا مصرف کیا ہو گا؟ صحت کو کیا دیں گے' دفاع کو کتنا دیں گے اور تعلیم کو کتنا؟ یہ قرآن میں تو لکھا ہوا نہیں' نہ حدیث ہی میں لکھا ہوا ہے۔ ایک پارٹی کہتی ہے کہ ہماری اوّلین ترجیح دفاع ہے' دوسری پارٹی کہتی ہے کہ ہم تعلیم کو زیادہ اہمیت دیں گے تو لوگوں کو اپنی پسند کے

انتخابات کا موقع ملنا چاہئے' اس میں قطعاً کوئی برائی نہیں۔ روحِ دین کے ساتھ جب تک روحِ عصر کو جوڑیں گے بات نہیں بنے گی' چنانچہ جدید زمانے کے تقاضوں اور دین کی ضروریات کو ہم آہنگ کرنا ہو گا۔

البتہ حزبِ اختلاف کا ایک پہلو غیر اسلامی ہے' اور وہ ہے حزبِ اختلاف کے ارکان کا اپنے ضمیر کی آواز کے خلاف رائے دینا۔ آپ ایک پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں جس کا ایک منشور ہے اور لوگوں نے اس منشور پر ووٹ دیئے تو اگر آپ اس منشور سے منحرف ہوتے ہیں پھر تو آپ کا ایوان میں اپنے منصب سے چمٹے رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ البتہ بہت سے معاملات ایسے آجاتے ہیں جن کا تعلق منشور سے نہیں۔ اب گورنمنٹ پارٹی ایک بات کہہ رہی ہے اور اپوزیشن کے کسی شخص کا دل یہ کہتا ہے کہ دین کے اعتبار سے میرے ملک کے لئے بات یہی صحیح ہے جب کہ پارٹی کی حکمت عملی کا تقاضا ہے کہ تمہارا ضمیر جائے جہنم میں' تمہیں وہ بات کہنی ہو گی جو پارٹی کہہ رہی ہے۔ یہ چیز خلافِ اسلام ہے کہ انہیں اپنے ضمیر کی آواز پر عمل کرنے کی اجازت نہیں۔ تاہم صدارتی طرزِ خلافت میں اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں رہ جاتی' اس لئے کہ اس کی اہمیت وہاں ہوتی ہے جہاں اراکین کی تعداد کے توازن پر حکومت کا انحصار ہو۔ ایک ہی مسئلے یا ایک تحریک پر بھی اگر حکومتی جماعت شکست کھا جائے تو وزارت ختم۔ صدارتی نظام میں ایسا نہیں ہوتا' لہٰذا پارٹیاں مسئلہ نہیں بنتیں۔ اس میں جو چاہیں آپ اپنی رائے دیں' کیونکہ حکومت اس سے نہ گرتی ہے نہ بنتی ہے۔ خلیفہ جو براہِ راست منتخب ہو گا' جتنی اس کی مدت ہے چار سال یا پانچ سال اتنی مدت وہ رہے گا' الا یہ کہ قانون کے مطابق اس کی معزولی کا جواز پیدا ہو جائے۔

سوال : ایک خلیفہ پر سے اگر عوام کا اعتماد اٹھ جائے تو اس کی تبدیلی کا کیا طریقہ ہو گا؟

جواب : وہ تو میں نے بتا ہی دیا ہے کہ جب ہم نے یہ طے کر لیا کہ اس کی مدت چار

سال یا پانچ سال کی ہے تو ٹرم (Term) پوری کرنے کے بعد دوبارہ الیکشن ہونے ہی ہیں۔ خلافت راشدہ میں تو یہ تھا کہ ایک شخص منتخب ہو گیا اور تادمِ مرگ وہ خلیفہ رہا' لیکن یہ آپ پر واجب نہیں کیا گیا' کیونکہ ایک ٹرم معین کر دینا حرام نہیں ہے۔ دوسرا معاملہ عوام کا اعتماد اٹھنے کا نہیں' بلکہ معزولی کا ہے۔ اگر آپ اسے معینہ مدت کے اندر معزول کر دیتے ہیں تو ہٹ جائے گا' ورنہ نہیں۔

سوال: اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اس لئے خلافت راشدہ نہیں کہ انہیں تمام مسلمانوں نے منتخب نہیں کیا تھا تو بتائیں کہ اولین چار خلفاء میں سے کس کو کُل مسلمانوں نے منتخب کیا؟ اگر نہیں تو پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت' خلافت راشدہ کیوں نہیں؟

جواب: کُل مسلمانوں کے انتخاب کا موجودہ تصور تو اس وقت تھا ہی نہیں۔ رائے دہی کا یہ نظام اس وقت موجود نہیں تھا۔ لیکن پہلے چاروں خلفاء کا انتخاب ان کے اپنے دعویٰ پر نہیں ہوا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خود مدعی خلافت نہیں تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تجویز کیا کہ ہاتھ بڑھایئے' پھر خود بیعت کی۔ حالانکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تو یہ کہا تھا کہ یہ عمر اور ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما دونوں موجود ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس حال سے تشریف لے گئے ہیں کہ وہ ان دونوں سے خوش تھے' جس کو چاہو منتخب کر لو۔ اسی طرح سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدعی نہیں تھے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشورہ کر کے انہیں منتخب کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انتخاب کا معاملہ چھ صائب الرائے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورے سے ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھ افراد کی جماعت بنائی اور پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عام مسلمانوں سے بھی مشورے کئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بلوائیوں نے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو مجبور کیا کہ وہ بیعت قبول کر لیں۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ ابتداءً حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی انکار کیا تھا کہ یہ فتنے کا وقت ہے اور میں اس حال میں بیعت قبول کرنے کو تیار نہیں ہوں' لیکن جب ان کا دباؤ پڑا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی دیکھا کہ اگر بغیر خلیفہ کے یہ

نظام زیادہ دیر تک چلتا رہا تو انتشار بڑھ جائے گا' چنانچہ انہوں نے اصلاحِ احوال کے پیش نظر خلافت قبول کرلی۔ جب کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پشت پر ایک قبائلی قوت تھی جس کا شام کے اندر ایک مرکز قائم ہوا۔ میں ان کی نیت پر کوئی حملہ نہیں کر رہا' معاذ اللہ! وہ صحابیِ رسولؐ ہیں' لیکن ان کی خلافت اس طور سے منعقد نہیں ہوئی جیسے پہلے چاروں خلفاء کی ہوئی تھی۔ یہ فرق ہے جس کی بناء پر خلافت راشدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ختم ہوئی۔ بلکہ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے تو یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنی ذات میں خلیفۂ راشد ہیں' لیکن ان کا دَور خلافت راشدہ میں شامل نہیں۔ کیوں نہیں؟ اس لئے کہ عالم اسلام ان کے زمانے میں یکجا نہیں ہوا۔ لیکن اہل سُنّت کا تقریباً اجماع ہے (سوائے ایک شاذ رائے کے) کہ ان چاروں خلفاء کا زمانہ دَورِ خلافت راشدہ ہے۔

سوال : موجودہ زمانے میں حجاب کو قائم رکھتے ہوئے پاکستان میں کس طرح ہم اپنی تمام دینی بہنوں بیٹیوں کو زندگی کے ہر پہلو اور ہر شعبے میں شریک کرسکتے ہیں کہ ماؤں کی گھریلو مصروفیت اور بچوں کی شریعت کے اعتبار سے تربیت بھی زیادہ متاثر نہ ہو؟ براہِ کرم یہ بھی بتایئے کہ اس بڑھتی ہوئی بے حجابی کے سیلاب کو کس طرح روکا جائے؟

جواب : دیکھئے میں نے یہ نہیں کہا کہ عورتوں کے لئے کام کرنا لازم ہے۔ میں تو شریعت کا یہ حکم بتا رہا ہوں کہ ان کے لئے کام کرنا حرام نہیں۔ کوئی ایسی عورت ہے جس کا شوہر فوت ہوگیا ہے' وہ اپنے بچوں کے لئے زکوٰۃ و خیرات نہیں لینا چاہتی بلکہ کام کرنا چاہتی ہے تو وہ گھر میں بیٹھ کر کام کرے۔ ہماری کتنی ہی خواتین ہیں جو بیوہ ہو گئیں اور انہوں نے سلائی کڑھائی کرکے بچوں کو پالا۔ لیکن یہ کام ہوتا ہے گھر میں بیٹھ کے۔ اس کے لئے آپ گھریلو صنعت کو رواج دیجئے۔ کام کرنے میں کیا برائی ہے؟ باقی ہر میدان میں کاندھے سے کاندھا ملا کر عورتوں کو لانا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنیادی طور پر ان کے میدان ہی علیحدہ بنائے ہیں۔ لیکن مجبوری ہو'

ایمرجنسی ہو تو یہ حرام نہیں ہے کہ کوئی خاتون گھر سے باہر جا کر کام کرے' لیکن اس صورت میں وہ اپنے ستر اور حجاب کے تقاضوں کو پورا کرے گی اور جا کر ملازمت کر کے واپس آجائے گی' یہ حرام نہیں ہے۔ ستر اور حجاب کی پابندیوں کے ساتھ بھی ان چیزوں کے راستے کھلے ہوئے ہیں۔ لیڈی ڈاکٹر بننا چاہتی ہے بنے۔ لیکن پائلٹ بنانا بھی کوئی فرض ہے؟ یہ تو ترقی پسندوں کا نظریہ ہے کہ ہر میدان میں کندھے سے کندھا ملایا جائے۔ حالانکہ کندھے سے کندھا آج تک نہیں ملا اور امریکہ میں بھی آج تک کوئی عورت صدرِ ریاست نہیں بنی۔ لیکن انہوں نے ہم لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے اور پاگل بنانے کے لئے "مساواتِ مرد و زن" کا نعرہ لگایا ہے۔ ورنہ وہاں کیوں نہیں کوئی عورت آج تک صدر بن گئی؟ تو اس اعتبار سے یہ ہر میدان کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ ایمرجنسی میں کوئی ضرورت ہو جو قومی سطح پر بھی پیش آسکتی ہو تو دوسری بات ہے۔

اب ہمارا یہ کہنا کہ ہم نے امریکہ سے دشمنی مول لے لی ہے' فلاں سے دشمنی مول لے لی ہے اور اب ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا ہے' لہٰذا جب تک صنعتی پیداوار نہیں بڑھے گی ہم کیسے اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں گے' چنانچہ اس کے لئے عورتوں کو بھی کام کرنا چاہئے ــــــ تو ٹھیک ہے' کریں عورتیں کام' لیکن جیسا کہ میں نے پہلے کہا ترجیحات کی ترتیب یہ ہو گی کہ سب سے پہلے گھریلو صنعت کو رواج دیں تاکہ عورت گھر میں رہ کر کام کر سکے' نہ کہیں آنا جانا ہو' نہ گھر سے نکلنا ہو اور نہ وقت صرف ہو تو قومی سطح پر پروڈکشن میں تو اس کا حصہ ہو گیا۔ پھر آپ ایسے صنعتی یونٹ بنا دیں جس میں آٹھ گھنٹے کی بجائے چار گھنٹے کی شفٹ ہو۔ عورت چار گھنٹے بآسانی نکال سکتی ہے کہ اس کے بعد وہ گھر کے کام بھی کرے۔ اس میں البتہ یہ ضروری ہے کہ عورتوں کا ہی یونٹ ہو' عورتیں ہی اس کی نگرانی کریں اور اختلاطِ مرد و زن نہ ہو۔ یہ ساری چیزیں آپ کو کرنی پڑیں گے۔ لوگوں کو اس اعتبار سے سمجھانا ہو گا۔

صدرِ مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن اور امیرِ تنظیمِ اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کی علمی و فکری اور دعوتی و تحریکی کاوشوں کا نچوڑ

۲۸۰ صفحات پر مشتمل ایک اہم علمی دستاویز جس میں عملی خطوط کی نشاندہی بھی موجود ہے

دعوت رجوع اِلی القرآن

کا منظر و پس منظر

شائع کردہ:

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: 03-5869501

نظام خلافت کیا ہے؟

☆ نظام خلافت' اللہ تعالیٰ کی حاکمیت مطلقہ کے اعلان واقرار اور قرآن وسنت کی غیر مشروط بالادستی کے عملی نفاذ کا نام ہے۔

☆ نظام خلافت اسلامی ریاست کے ہر شہری 'مسلم ہو یا غیر مسلم' کی جان ومال عزت وآبرو کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے۔

☆ نظام خلافت' اسلامی ریاست کے ہر شہری کی بنیادی ضروریات یعنی غذا' لباس رہائش' علاج وتعلیم وغیرہ کا ذمہ دار ہے۔

☆ نظام خلافت' تمام کائنات اور انسانوں کے خالق ومالک کے ابدی پیغام کو تمام دنیا کے انسانوں تک پہنچانے کا اہتمام کرتا ہے۔

☆ نظام خلافت' اسلامی ریاست کے تمام شہریوں کو فوری عدل وانصاف فراہم کرنے کا ضامن ہے۔

☆ نظام خلافت' میں مردوں اور عورتوں کے الگ الگ دائرہ کار معین ہیں۔ یہ نظام عورت کو پورا اختیار دیتا ہے کہ ستر وحجاب کے حوالے سے اللہ اور رسولؐ کی قائم کردہ حدود کو پیش نظر رکھتے ہوئے بوقت ضرورت کاروبار حیات میں شرکت کر سکے۔

☆ نظام خلافت' عورتوں کی عزت وناموس کا محافظ اور حقوق نسواں کا پاسبان ہے۔

☆ نظام خلافت' نہ صرف یہ کہ تمام انسانوں کی تعلیم وتربیت کا خصوصی اہتمام اس نقطہ نگاہ سے کرتا ہے کہ وہ اپنے مقصد حیات سے آگاہ ہوں بلکہ اس کے مطابق ان کی رہنمائی اور مدد بھی کرتا ہوں۔

☆ نظام خلافت' مسلمانوں کے دلوں میں جذبہ جہاد کی روح بیدار کرنے کا ضامن بھی ہے تاکہ حزب الشیطان کے حملوں کا مؤثر جواب دیا جا سکے۔

خلاصہ کلام: نظام خلافت کا قیام وقت کی اہم ترین ضرورت ہے!

تحریک خلافت پاکستان

نظام خلافت کے قیام کی جانب پہلا قدم ہے۔ تحریک کے مقاصد حسب ذیل ہیں :

۱) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح پیشنگوئیوں کے مطابق پورے کرۂ ارض پر نظام خلافت کے قیام کی راہ ہموار کرنا۔

۲) نظام خلافت کی برکات سے پاکستان اور تمام دنیا کے مسلم و غیر مسلم افراد کو متعارف کروانا۔

۳) رائج الوقت غیر فطری' ظالمانہ اور استحصالی نظاموں کی گمراہیوں اور خرابیوں سے لوگوں کو آگاہ کرنا۔

۴) مسلمانان عالم میں دین کے تقاضوں کا شعور بیدار کرنا۔

۵) ابتدائی مرحلے کے طور پر پاکستان کے عوام کو ایسا پلیٹ فارم مہیا کرنا جہاں سے مذہبی فرقہ واریت اور انتخابی سیاست سے بالاتر ہو کر نظام خلافت کے قیام کے لئے منظم جدوجہد کی ضرورت کا احساس پیدا کیا جاسکے۔